UNIVERSAL LIBRARY
OU_188696
UNIVERSAL LIBRARY

188646

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۱۲۰۳۹۴م Accession No. ۱۱۰۹۱۰

Author [illegible]

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید

سلسلہ اشاعت العلوم

بیادگار خطاب سلطان العلوم شہریار دکن خلد اللہ ملکہ کا

دوسرا نمبر

Checked 1978

الغفاری

(یعنی)

سوانح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جسمیں اصول فلسفہ تاریخ وعلم النفس والاقوام کی مدد سے حضرت ابوذر غفاری رض
صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب وغریب حالات قلمبند کرنیکے ساتھ
اخلاقی نتائج کا درس بھی نہایت موثر انداز میں دیا گیا ہے

اثر خامہ

رئیس التحریر مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی فاضل دیوبند
مؤلف کائنات روحانی واستاذ حدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جسکو

دار المؤلفین دیوبند نے مرتب کرکے
مطبع قاسمی دیوبند میں چھپواکر
کتبخانہ قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور سے شایع کیا

اِنتسابِ الغفاری

Checked 1969

عقیدتمندان بارگاہ سُلطانی سوانح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصد خلوص وادب حضرت ظلِّ سُبحانی نظام الملک آصف جاہ سابع حضرت میر عثمان علیخان بہادر تاجدار سلطنت آصفیہ ادام اللہ سلطنتہ وایامہ کے اسم مبارک کی طرف منسوب کرنے کی عزّت حاصل کرتے ہیں۔

"گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"

عقیدتمندان بارگاہ سُلطانی

ارکان دار المؤلفین دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد

واقعات و سوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت میں درج کئے جائیں گے۔ ان کا زیادہ تر حصہ اصابہ، اسد الغابہ، استیعاب، طبقات ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا۔ کہیں کہیں بعض باتیں صحاح اور دیگر کتب حدیثہ سے بھی لی گئی ہیں۔

مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی منظور ہے۔ اس لئے میں بعض بعض مقاموں میں "فلسفۂ تاریخ" اور "علم النفس والامم" کے اصول مروجہ سے مدد لیکر چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا جو ممکن ہے کہ عام دماغوں کو کتب موجودہ میں نہ ملیں۔ کہ اس میں نہایت دقیق اور غامض قیاس و اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے۔

ابنائے عصر و قرآن کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل کسی تجسس و امعان کے وہ الزام و اعتراض کی طرف عجلت نہ فرمائیں ع کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند۔

تاہم میں نے اپنے خاص خاص نتائج کو دیکھتے ہوئے ایسے الفاظ قیاسی بیان میں تمیز بخش سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے فلسطین کی طرف جاتا ہے ٹھیک اسی شا	قبیلۂ غفار کی جائے سکونت

سلہ کنانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرہویں پشت میں واقع ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ دیکھو التفصیل ۱۲

عرب تھے کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی۔

غفاریوں کے اخلاق و عادات

قریش کے رحلۃ الصیف کا ایلاف و شوق انھیں پہاڑی سڑکوں کی پشت پر پورا ہوتا تھا آئے دن قریشی تاجروں عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ عرب کی مخصوص پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے۔ اور وہاں سے شامی غلے، رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے قیاس کیا جاتا ہے کہ جوں جوں بازنطینی حکومت شام میں اپنے قدم جما رہی تھی۔ عربی تجارت کو خاصی ترقی ہوتی رہی۔ غسانیوں کی پشت پناہی میں رومی درباروں تک عرب کی بخوبی گذر ہوتی تھی۔ ان کے لئے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں مہیا ہوتی رہیں۔

قیاس کا مقتضی ہے کہ عرب کی ان تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل و اعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگیں۔ اور رفتہ رفتہ اس معاملے نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے پرجوش بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا پھر جیسا کہ جہالت و افلاس اور شجاعت کے مجموعی جذبات و قویٰ کا تقاضا ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ گذرنے والے قافلوں پر انھوں نے ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ بجائے راہ گیر و غریب مسافروں کو لوٹنے لگے۔

اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک آکر ٹھیر جاتی ہر جرم دوسرے جرم کا محرک ہے، علم النفس کا ایک مشہور و مسلم قانون ہے۔ ضمیر کے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہو جاتی ہے تو یہ مشکل ہے کہ آئندہ اس کی انسداد ہو سکے گی۔ بلکہ بجائے اس کے بسا اوقات بے باکی بہت زیادہ

" " معلوم تھا کہ راہزنی کے بعد انھیں اردگرد کے قبیلوں کے ریوڑ بھی تاخت

غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت تھی۔ جو صبح

پنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں نکلا کرتے
س کا نام رحلۃ الصیف تھا اور سردیوں میں وہ مناز رہ
اقوں میں پھیل جاتے تھے اور اس کا نام رحلۃ الشتاء تھا۔ قرآن مجید نے
کے ساتھ کیا ہے۔ ۱۲

صادق کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی، چراگاہوں پر دھاوے کر کے ان کے اونٹوں کو ہنکا لاتی
غفار کا شہر حرام کی تکمیل اور آڑ کہ اگر اسی پر بس ہو جاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا، لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ
جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا بھوت روحوں اور دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے تو انسان
پھر انسان باقی نہیں رہتا۔ اس کے دل و دماغ پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پرواہ کرتا ہے
اور نہ خلق اللہ کی زبان ملامت اسے روک سکتی ہے۔ حرص و ہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں
کو معمورہ دل سے ڈھا کر برباد کیا ہے حتی کہ احساس عزت و خودداری بھی معطل ہو جاتے ہیں
بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسے بالکل خیال نہیں ہوتا۔ میری حرکتوں پر دنیا
کیا کہے گی۔ خدا کو کیا جواب دوں گا۔

بعینہٖ یہی بدحالی یہی ابتری غفاریوں پر اخیر میں طاری ہوئی کہ اب تک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے
عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ اور ایک حد تک ایام جاہلیت کی بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ
مرضیاں شنیع بھی نہ تھا۔ لیکن اب ان کا قدم اور زیادہ تیز ہوا۔ کہ اشہر حرم[1] کی تعظیم و تکریم جو عرب اور تمام عرب کے

---

[1] مستنبط از طبقات ابن سعد دہلی ج ۴ صفحہ ۱۶۵ اشہر حرم چار ہیں جن کی ترتیب صحیح روایات کے اعتبار سے یہ ہے۔ رجب مضر
ذیقعدہ۔ ذوالحجہ۔ محرم۔ رجب کو رجب مضر اس لئے کہتے ہیں کہ ربیعہ کی نسلیں بجائے رجب کے رمضان کا احترام کرتی تھیں۔ اہل
عرب ان مہینوں میں قتال و رہزنی غارت و تاراج کو حرام سمجھتے تھے حتی کہ اس کی پابندی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اگر ان مہینوں
میں کسی کے سامنے اس کے باپ کا قاتل بھی آ جاتا تو قتل و قتال تو کیا برا بھلا کہنا بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جب [illegible] میں [illegible] کی بنا
سے لاپرواہیاں ہونے لگیں۔ تو [illegible] ہونے لگی حیلے بہانے کی بنا پڑی۔ مثلاً اگر محرم میں [illegible] تو [illegible] الحرام کی حرمت صفر میں
منتقل کر دیتے۔ اگر اس پر بھی فرصت نہیں ملی تو ربیع الاول [illegible] کا حلال قرار پاتا و کذا۔ حتی کہ آخر میں یہ [illegible] سال کے چار
مہینوں میں [illegible] کی تبدیلی ہو [illegible] جلد جلد ختم ہو [illegible] تو ہر سال [illegible] شروع ہوا کوئی سال
تیرہ مہینہ کا اور کوئی [illegible] ان تحریفات کا اثر [illegible] پڑتا تھا حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے [illegible] میں حج کیا تو
ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ اخیر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ۱۰ھ میں کیا تو ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ٹھیک موسم حج تھا۔ اسی
بنا پر آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

الا ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض (صحاح)	جس وقت خدا نے آسمان و زمین پیدا کئے تھے زمانہ کی جو ہیئت اس وقت تھی اسی پر آج پھر گھوم کر آگیا۔

قرآن مجید نے بھی ان مہینوں میں فساد و ظلم سے منع کیا ہے گو بالاتفاق مقصود یہ ہے کہ ان مہینوں میں ارتکاب جرائم [illegible] دو
گونا گناہ ہے اور [illegible] ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حرم کو ایک خاص خصوصیت ہے کہ قبیح امر میں زیادہ شدید ہوتا ہے۔ ۱۲

ترتو یک خواہ وہ کسی صورت کے ساتھ ہو ایک مذہبی روایت قومی خصوصیت کی صورت میں مسلم تھی۔
مگر ان دنیا پرستوں نے میرے خیال کے اعتبار سے محض اس لئے کہ ان چار مہینوں کے قافلے ہاتھوں سے بلا وجہ ضائع ہو جاتے ہیں متفق ہو کر یہ قانون پاس کر لیا۔ کہ شہر حرام کی تمام احکام و رعایات ایک بے معنی مذہبی ڈھکوسلے ہیں جس میں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم نقصان جو کسی طرح قابل برداشت نہیں غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہت قومیہ افلاس و مسکنت کی شکل بن جائے۔

الغرض قبیلۂ غفار نے شہر حرام کی حرمت کو حلال کر کے پھر وہ کھیل کھیلے، کہ معاذ اللہ۔ عرب کی سب سے بہادر قوم قریشؓ بھی ان کی ترکتازیوں سے دبنے لگی۔ انھیں ہر موقعہ پر باوجود سید الاقوام ہونے کے ان کی رعایت کرنی پڑتی تھی[1]

آپ کی ولادت اور نام و نسب غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان و تمرد کے بادل چھائے ہوئے تھے کہ عین انھیں دنوں میں جنادہ بن کعب بن صعیر بن الوقعہ بن سفیان بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت ربیعہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا کہ جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان کو زمین نے اپنی پشت[2] پر کبھی نہیں اٹھایا اور نہ آسمانوں نے اس سے زیادہ اصدق ترین لہجے رکھنے والے کو اپنے آغوش ظلال میں پالا[3] اور جو اپنے عیسوی تقویٰ و ورع کی وجہ سے اخیر میں مسیح الامۃ کے نام سے ملقب کئے جانے کا یقیناً مستحق ہے۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندب[4] رکھا۔ اور اسی نام کی وہ پیاری تفسیر ہے جسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا جندب[5]" کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذر آپ کی کنیت ہے۔ عام طور سے آپ اسی کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے۔

ایام جاہلیت کے ابتدائی حالات و سیر یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو ان کے عادات و اطوار کے پرتو اس پر نہ پڑیں الا ماشاء اللہ۔ غفار ایک غارت پیشہ، راہزن قوم تھی۔ تو کوئی تعجب نہیں، اگر حضرت ابوذر غفاری میں

[1] ماخوذ از بخاری ۱۲ [2] اصابہ صفحہ ۶۳ ج ۷۔ ۱۲ [3] یہ نص نبوی ہے جیسا کہ عنقریب آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آتی ہے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی کما سیاتی ۱۲۔ [4] بعضوں نے آپ کا اصلی نام بریر بتایا ہے کہ یہ بھی ہو گیا ایک آدمی کے دو نام نہیں ہوتے۔ ۱۲ [5] ابن ماجہ ۱۲

بھی ان کے عادات و خصائل پیدا ہوتے، اور بالآخر یہی ہوا۔ جب کچھ جوان ہوئے تیر و کمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ دست بازو نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا۔ اُٹھے، اور جاکر قافلوں کو لوٹ لیا۔ ریوڑوں کو بھگا لائے۔ اور فطری شجاعت نے اُن کو اور بھی زیادہ جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ ولولہ اٹھتا۔ تو تن تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پڑتے؛ اور عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو ھنکا کر اکیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گذرتا۔ تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی رفیق کے کاروانوں کو جاکر لوٹ کھسوٹ لیتے تھے[۱]۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے۔ ان کا حملہ جب پیادہ پا ہوتا تو عجیب چستی و چالاکی سے قافلوں میں گھستے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں میں جا پڑا ہے[۲]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں سے خوب خوب دادیں ملیں اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لئے اس سے زیادہ مؤثر اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے انھوں نے راہزنی میں نمایاں حصّہ لینا شروع کیا ہوگا اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی درازیاں حد سے گذر گئیں ہوں گی۔

راہزنی سے توبہ اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے مفید ہوئی کہ یقیناً ان سلیم فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریہ و زاری سے اخیر میں متاثر ہوئی۔ ناممکن ہے کہ ڈھاریں مار مار کر بیچاری عورتیں ان کے قدموں پر روز و شب تڑپتیں۔ اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرمایا تھا ان سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا، پسیجا، کہ آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی۔ اور صحبت کے برے آثار جو طبیعی نہ تھے مفقود ہو گئے آپ کو اپنی ان ظالمانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی۔ عقل نے بھی اندرونہ دل میں رأفت و رحمت کی بوندیں ٹپکائیں۔ اور اخیر میں یوں سمجھو! کہ وہ جو ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا۔ اور ڈوبتوں کو تراتا ہے مردے سے زندوں کو اٹھاتا ہے۔ اسی کا دست کرم ظاہر ہوا۔ اور کھل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا و ہوس کی پرستاری ہے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۴ صفحہ ۱۶۳ ۱۲: [۲] ماخوذ از طبقات ۱۲:

ادہر خیالات میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ شر خیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے کہ جرائم و معاصی کی مفصل فہرست سامنے آنکھوں کے کھل گئی۔ گذشتہ تعدیوں خونریزیوں کے خیال نے ہوش اڑا دیئے۔ آخرت کے خیال نے دل میں ہل چل ڈالدی۔

اسلام سے پہلے عبادت خدا کا خیال

عرب مشرک ضرور تھے، دیوتاؤں اور دیویوں پر انھیں یقیناً بھروسہ تھا، اور غفار بھی ان کے تمام اعمال ضلالت خبیثہ میں ان کے دوش بدوش تھے، لیکن قرآن حدیث ایام و اشعار کی تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو انھوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا، اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالی کو سب سے بڑا سب سے زیادہ قدرت و حکمت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ بتوں کو انھوں نے محض سفارت و شفاعت کا عہدہ دے رکھا تھا اپنی معمولی حاجات یا صرف دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے۔ ورنہ اگر کوئی اہم پیش آجاتا۔ تو اس وقت ان کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھک جاتی تھی۔

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین فلما نجاھم الی البر اذا ھم یشرکون	جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں تو خدا کو سچے دل سے پکارتے ہیں پھر جب خدا انھیں خشکی کی طرف نکال دیتا ہے تو وہی شرک کرنے والے ہو جاتے ہیں

سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض قبیلوں کے دلوں میں تو ان بتوں کی چنداں وقعت بھی نہ تھی کھجوروں کے بت کو قحط کے ایام میں عربوں کا چٹ کر جانا ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے۔

بہر کیف وہ خداوند تعالی کو ضرور مانتے تھے۔ اور سب سے بڑا معبود مانتے تھے۔ اپنے اہم معاملات میں اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ علی الخصوص جب کہ کوئی اُخروی و دنیوی ضرورت ہو۔

اور اسی بنا پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ کو چونکہ اپنی عاقبت کی بدانجامی کا خوف روز بروز بہت زیادہ شدت پذیر ہوا۔ تو مضطرب ہو کر انھوں نے بجائے اساف و

ف۱: آخرت کا خیال اکثر عربوں میں موجود تھا۔ البتہ ایک روشن خیال طبقہ تھا جو ان چیزوں کو اساطیر الاولین (پہلوں کی داستانیں)، اور افک قدیم (پرانا جھوٹ) کہہ کر لغو قرار دینے کی کوشش کرتا تھا تاہم دل سے وہ بھی مقر تھے۔ ۱۲

نالہ لات وعزیٰ کے یہی پرانے خادم کی، کہ میرا جرم عظیم ہے میں نے سیکڑوں بیکسوں، مسافروں، بچوں، اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے۔ اس لئے اب مجھے اپنی عمر کا باقی حصہ اکیلے خدا کی عبادت و پرستش میں گذار دینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ یہی عبادت گذشتہ معصیتوں کی کفارہ ہو جائے۔ اس خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہو کر چڑھا، کہ بغیر کسی تعلیم و ارشاد کے خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کر لی کہ صرف دل کی پشیمانی اور اس کی تعظیم و اقرار الوہیت سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہو سکتی تھی، جیسا کہ فطرت سلیمہ بشریہ کا تقاضا ہے۔

خود فرماتے ہیں۔

ولقد صلیتُ یا ابن اخی۔ قبل ان القی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث سنین (طبقات وصحیح مسلم)	میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے سے دو سال پہلے نماز پڑھتا تھا۔

راوی نے پوچھا کہ آپ کس کی نماز پڑھتے تھے؟ (کہ اس کو عرب کی شرک و ضلالت کو دیکھتے ہوئے نماز کا نام سن کر تعجب ہوا) تو آپ نے فرمایا۔ کہ للہ (خدا کے لئے)

اس نے پھر پوچھا کہ تو کس طرف رخ کر کے پڑھتے تھے۔ جواب میں فرمایا۔

حیث یوجھنی اللہ۔	جدھر اللہ تعالیٰ جھکا دیتے تھے۔

اور اخیر میں تو گذشتہ اعمال و افعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیہ مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں۔

اصلی عشاء حتی اذا کان اخر السحر القیت کانی خفاء حتی تعلو فی الشمس۔ (صحیح مسلم وطبقات)	عشاء کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا۔ اور کھڑا رہتا، یہاں تک کہ جب پچھلی رات بھی ختم ہونے کے قریب ہوتی۔ تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح پڑا رہتا کہ گویا کپڑا پڑا ہوا ہے حتی کہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی (تو اٹھتا)

الغرض چند ہی دنوں میں۔ حضرت ابوذر غفاری کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا۔ راہزنی کے تمام ولولے

تاخت وتاراج کے جوش وخروش یکایک ٹھنڈے پڑ گئے۔ صبح وشام اپنی فرضی عبادت میں محو رہتے۔

ترکِ وطن ایسا خیال ہوتا ہے کہ بنی غفار پر آپ کی اس اجنبی حالت کا خاص اثر ہوا ہوگا۔ اولاً تو ان باتوں کو وہ ایک جنون و دیوانگی سمجھتے ہوں گے۔ ثانیاً ان کو اپنے قوم کے ایک بڑے بہادر کی کمی کا خیال بہت گراں گذرا ہوگا۔ پھر ساتھ ہی اس کے جیسا کہ نفس انسانی کی سلیم فطرت کا اقتضاء ہے کہ وہ اندھے کو کنویں کی طرف جاتا دیکھ کر چلا اٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گر نہ جائے اسی طرح یقیناً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے روحانی احساس کے ذریعہ سے زہر سمجھ چکے تھے ان سے اپنی قوم اور برادری کے لوگوں کو روکتے ہوں گے۔ خصوصاً جب کہ ان کو اپنی قوت فیصلہ کی طاقت پر اس درجہ اعتماد بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایام اسلام میں صحابہ کی رایوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے تو غالباً اس روک ٹوک کا قصہ بڑھتے بڑھتے زیادہ طول کھینچا ہوگا۔ تفصیل تو نہ مل سکی۔ لیکن گمان ہے کہ نزاع شہر حرام ہی کے متعلق ہوئی۔ اور معاملہ زیادہ نازک ہوا۔ بنی غفار آمادہ اذیت وپیکار ہوئے حتیٰ کہ مجبور ہو کر آپ نے اس وقت ترک وطن کو مناسب سمجھا فرماتے ہیں۔

خرجنا من قومنا غفار وكانوا يحلون الحرم (طبقات وصحیح مسلم)	اپنی قوم غفار سے میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ لوگ شہر حرم کو حلال سمجھتے تھے۔

اپنی جلا وطنی کے قصہ کے درمیان میں شہر حرام کی تحلیل کو لے آنا بتاتا ہے کہ آپ کی زیادہ برافروختگی اسی مسئلہ پر تھی۔

بہرکیف آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی انیس رض کو ساتھ لے کر گھر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی بنی غفار جس کو کسی زمانہ میں ابوذر رض کے دست وبازو پر فخر وناز تھا۔ آہ کہ کس درجہ عبرت ناک نظارہ ہے کہ حق وصداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑتا ہے۔ سچائی نے لوگوں کو اس کا دشمن بنا دیا ہے۔ اس کی تمام آبرو وعزت محض اس لئے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق وفجور پر راضی نہ تھا۔

تاریخ کی زبان گو ساکت ہے۔ اور نہیں بتاتی۔ کہ قوم کے اسی معزز انسان پر اس کی اصلاح کے بعد کیا کچھ گذری لیکن تجربہ اور مشاہدہ تصویر تکلم ہے وہ آئے دن۔ اس کا مرقع ہمارے سامنے اس وقت

پیش کرتا ہے جب کہ مہذب ڈاکو (متمدن غارت گروں کی جماعت کا کوئی آدمی۔ رشوت وخیانت۔فریب و دغابازی کی عادتوں سے توبہ کر کے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گذارنے کے لئے تیار ہوتا ہے تو یکایک اس کی تمام تر بیدارمغزیاں انتہائی خردماغیوں کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہیں۔اگر اس سے پہلے وہ اپنے کنبے کا سب سے زیادہ ہوشمند وجوان بخت فرد تھا تو اس کے بعد قبیلے کا وہ ایک سخت احمق اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک ایک آدمی اس کی عنایت پروارانہ تبسموں کا آرزومند رہتا تھا۔لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ وپکار کی پروا بھی نہیں۔ وفی ذلك لعبرة لاولی الابصار۔

جب کہ حق وراستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا۔تو کوئی تعجب نہیں۔غفار کے خیموں پر جوان کے بچپنے کی کھیلنے کی جگہ تھی۔ان صحراؤں پر جو ان کی شہسواری کے بازی گاہ تھے آہ کہ ان سب پر نگاہ حسرت والم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہو رہے ہوں گے۔مگر امید نہیں پڑتی۔کہ غفاریوں کا کوئی آدمی ان کو روکنے کے لئے اٹھا ہوگا۔اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے آج جب کہ تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو تا بجاہلاں چہ رسد۔

ماموں کے یاں آنا بہرکیف آپ کی جلاوطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو۔آپ نے غفار کو چھوڑا قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک مہربان ماموں کسی دوسرے قبیلے میں اقامت گزیں تھے۔وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلے میں پہونچے۔آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا۔جی بھر آیا۔بھانجوں کی تسلی کی خیمے خالی کر دیئے۔غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہوسکتی تھی وہاں آپ کو میسر آئی۔نہایت چین واطمینان کے ساتھ رہنے لگے۔یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے والا نہ تھا۔اور معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت وصبر کی تعلیم بھی دی۔کوئی نیا فتنہ بھی نہ اٹھ کھڑا ہوا۔کچھ دن اسی طرح آرام وسکون کے ساتھ گذرے۔

ماموں کے یاں سے روانگی ماموں سے تو بھی آپ کی عنصر طیب اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا۔روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا۔کہ ان کے ماموں کے یاں آنے جانے والے

لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سی حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی۔ ان کے گھر کے کام جو اب تک دوسروں کے ساتھ متعلق تھے۔ ان لوگوں کے سپرد ہو گئے، الغرض مختلف اسباب و علل نے اس مادہ کو تیز کیا۔ یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی۔ مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ جو ان کے خلاف ہر امکانی کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر و شکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے۔ مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ سبھوں نے مل کر آ کر کہا۔

کہ "جناب آپ جب باہر جاتے ہیں۔ اور گھر میں کوئی نہیں رہتا۔ تو آپ کے بھلنجے (انیس) گھر والوں پر افسری کرتے ہیں، اور "ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں، ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ اور شاید اسی وجہ سے شکایت کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر پیدا بھی نہ ہوا۔ تاہم وہ آدمی تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر انھوں نے پوچھ لیا۔ کہ بھائی انیس ایسا کیوں کرتا ہے۔؟

اس قدر جملے کا سننا تھا۔ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ فطری طور پر ایک کڑے مزاج کے آدمی تھے۔ دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کی معمولی بات کی تاب نہیں لا سکتا۔ پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو۔ کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں۔ تو آج تو معاملہ زیادہ خطرناک نہیں ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے۔

بس بھر گیا تھا۔ حسرت بھرے لہجے میں آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تمام گذشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا۔ بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں"

اور اپنے اونٹوں پر لد کر وہاں سے بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے۔

بیچارے ماموں کو کیا خبر تھی کہ محض اتنی سی بات پوچھنے سے ابوذر کا یہ حال ہوگا۔ وہ تو ہکا بکا ہو کر رہ گئے رو کے تھے تسلیاں دیتے تھے۔ مگر یہاں کون سنتا ہے۔ وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا جب کہ ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے۔ خود حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔

فتغطے خالنا بثوبہ وجعل یبکی[1] | ماموں اپنے منہ کو کپڑے سے ڈھانک کر روتے جاتے تھے

الغرض رائی پہاڑ بنی۔ اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

مکہ کی طرف رخ کرنا مکہ معظمہ عرب کا مشہور شہر تھا۔ اپنے اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا۔ خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا، لیکن اسی کے ارد گرد کسی قریب کے گاؤں میں اتر پڑے۔ اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس پر کچھ دن گذر گئے۔ کہ اسی عرصہ میں آپ کے بھائی انیسؓ کا جو ایک زبردست شاعر تھے۔ کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہو گیا۔ انیس اپنے اشعار کی تعریف کرتے تھے اور اسے بلند پایہ بتاتے۔ اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اور اسے بڑھاتا۔ الغرض اسی نوک جھوک میں شرط کی نوبت آگئی۔ بات اس پر طے ہوئی۔ کہ جو ہارے وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کے نذر کرے۔ ایک کاہن حکم مقرر ہوا۔ دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے۔ خوش قسمتی سے کاہن نے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا۔ ان کے اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا۔ حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کے ساتھ اس کی ریوڑ بھی قیام گاہ پر ہنکا لائے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی۔

دربار نبوی تک باریابی کے اسباب یہ وہ زمانہ تھا، کہ رافتہ سماویہ ملتہ ابراہیمیہ کے اتمام و احیاء کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقتہ قدسیہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ حرا کا واقعہ نزول وحی بعثت کے حوادث گذر چکے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرۃ اقربین سے گذر کر ام القرے میں گو نج چکی تھی۔ مگر گھر اس نئے دین ظاہر ملتہ غالبہ کا چرچا تھا۔ کفاروں میں اسلاف پرستی کے جذبات موجزن تھے۔ بچوں سے بوڑھوں تک اپنی خود تراشیدہ معبودوں کی تائیدوں میں سرشار ہو رہا تھا۔

---

[1] یہ تمام واقعات صحیح مسلم و طبقات سے ماخوذ ہیں ۱۲ سلہ میں نے خذا فرانیس ا جو صحیح مسلم و طبقات کا جملہ ہے اس کی شرح امام محی الدین نووی کی رائے موافق کی ہے۔ ۱۲

راہ گیروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب و مسافرین کے کان کھڑے ہو چکے تھے۔ مکہ سے جو باہر جاتا۔ وہ اس کی خبر کو ہر اپنے شناسا ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا۔

اس عرصے میں مکہ سے کوئی مسافر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑاؤ کی طرف گذرا، آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھہرا ہوگا۔ بات میں بات پیدا ہوئی۔ معلوم نہیں حضرت ابوذرؓ کے خیالات سے اسے قبل سے واقفیت تھی۔ یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ "آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں" بہرکیف اس نے کہا "ابوذر! یہ تم جو کچھ کہتے ہو، مکہ کا ایک شخص بجنسہ اسی کا مدعی ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو"[1] اس نے تو روا روی میں یہ خبر سنائی لیکن ادھر حضرت ابوذرؓ کا دل بلیوں اچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی جگمگاہٹ نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا سمجھ لیا کہ وقت قریب ہے۔ دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے۔

سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے، اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے۔

کہ اس کا اصلی وطن کہاں ہے۔ کس قبیلے کا آدمی ہے، مکہ کے کس خاندان سے اسے تعلق ہے؟

راہ گیر نے سارا نشان و پتہ بتا دیا۔ کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے۔ اور قبیلہ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے۔[2]

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے، دل میں ایک انجذابی کیفیت تھی جو رہ رہ کر ان کو مکہ معظمہ کی طرف گھسیٹ کر لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال، کچھ مشرکہ ماں کی خاطر سے دل میں اس انگارے کو دبائے بیٹھے رہے، جو تبلیغ کے بعد ہر لیے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل و حجت کے پیدا ہو[3] ہے، غیرت و الفت کا ایک دریا تھا جو روحِ ابوذری میں جوش زن تھا۔ نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے، اور کیوں ہے۔ مگر تھا۔ اور وہ اس کی ہیجان سے بے کل تھے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی چوم چکی تھی۔ آپ کے رشد و ہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انیسؓ نے یکایک آپ

---

[1] طبقات صفحہ ۱۶۳ ج ۴۔ [2] طبقات اور صحیح مسلم۔

سے آکر کہا "بھائی جان! میں فوراً مکہ جاؤں گا" آپ ذرا اونٹوں کی نگہداشت فرمائیے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں۔"

ایک آواز تھی۔ یا بجلی تھی جس کی رو تمام قویٰ و عواس پر آنا فاناً دوڑ گئی۔ تڑاپ جانے حضرت ابوذر نے کیا دیکھا۔ سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی۔ مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ بکایک تھم گئے۔ اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرکے [illegible] بجنسہ اس طرح جیسے کہ ایک بدنام ونا کام کرچہ محبوب سی رو کا گیا ہو۔ اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت دریافت [illegible] انداز کے ساتھ پوچھنا ہی [illegible] آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو جس بے غرضانہ اسلوب، مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے سمجھا [illegible] بخاری سے نقل کرتا ہوں

ارکب الی ھذا الوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل الذی یزعم انہ نبی یاتیہ الخبر من السماء واسمع من قولہ ثم ائتنی	اس وادی (مکہ) کو جاؤ اور اس آدمی کی تحقیق کرو جو [illegible] اپنے کو نبی خیال کرتا ہے۔ اور کہتا ہے آسمان سے اس کے پاس خبریں آتی ہیں۔ ذرا اس کی حالت دریافت کرنا، سننا کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے بعد پھر آنا۔
(بخاری)	

[illegible] ایک [illegible] کے ثابت ہوتے ہوئے،

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و جگر پر جو بیت [illegible] تھی جس کا ان سے آپ اسلام کے [illegible] تھے۔

قرار [illegible]	[illegible]

بہر کیف دیر ہوئی تھی یا نہیں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ وقت بہت گراں گذرا۔ اور شاید اس سے لیا وہ شکایت کسی تراخی کی انھوں نے کبھی نہیں کی۔

حضرت انیس رض واپس ہوئے، ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے اور پھر پوچھا، کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی" حضرت انیس رض نے فرمایا کہ "اسی آدمی سے ملنے میں دیر ہوئی اس کا طریقہ وہی ہے جو آپ کا

سلہ بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت انیس کو جانے کا حکم دیا تھا لیکن صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھوں نے سبقت کی ہے سے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ یہ اجازت کے لئے امر تھا۔ نہ کہ ابتدائی۔ ۱۲۰ سلہ طبقات ۱۲

ہے، اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے کو رسول گمان کرتا ہے"۔

حضرت ابوذر نے فرمایا۔ کہ اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیس رض نے کہا۔ کہ اسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقعہ پر غایت نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے :۔

"انیس حالانکہ۔ ایک اچھا شاعر تھا۔ مگر اس نے یہی کہا، کہ صاحب میں نے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں۔ رہا کاہن۔ تو میں سیکڑوں کاہنوں سے بھی ملا ہوں ان کی باتیں سنی ہیں، لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں۔ قسم خدا کی وہ سب کے سب جھوٹے ہیں یقیناً وہ سچا ہے"۔[له]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا حال ہوا۔ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال و ہمدم ہو جاتا ہے تو اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس ہوتی ہے۔ حضرت ابوذر کے سینہ کو بھی اسی سے معمور سمجھنا چاہئے۔

حضرت انیس رض کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کر دیئے۔ اور ایک مسرورانہ لہجہ میں فرمایا۔

فَاشْفِيتَنِي مِمَّا اَرَدْتُ (بخاری)	(ہم جس مرض کا علاج، چاہتے ہیں تم اس کی شفا نہیں لائے (اور وہ کہاں سے لا سکتے تھے)

اس کے بعد کہا۔ کہ انیس!

اَكْفِنِي اَذْهَبْ فَانْظُرْ (طبقات)	تم میری جگہ اب گھر رہو ذرا میں جاتا ہوں تاکہ میں بھی تو دیکھوں کہ کون ہے کہ ساری تڑپ و بے چینی اسی ایک نظر کے لئے تھی اور آہ! کہ اس وقت تک کتنوں کو ہے۔)

له۔ سیاق طبقات تمام واقعات۔ ۱۲

سفر مکہ مکرمہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کیا کرتے تھے۔ لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد اس اشتیاق و بے چینی کی تصویران لفظوں میں کھینچی ہے جس کا نقل کرنا اس موقعہ پر ناموزوں نہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم	راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بردم
چوں صبا با دل دیمار و تن بی طاقت	بہواداری آں سرو خراماں بردم
دلم از وحشت زندان سکندر[۱] بگرفت	رخت بربندم و تا ملک سلیماں بردم
در رہ او چو قلم گر بسرم باید رفت	با دل دردکش و دیدۂ گریاں بردم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آمد روزے	تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بردم
بہواداری او ذرہ صفت رقص کناں	تالب چشمۂ خورشید درخشاں بردم

آخر وہ ذرہ اڑا۔ جو غفار کے خانوادہ میں چشمۂ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

محمد بن اسمعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب الواقدی راوی ہیں۔ کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی۔ اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل[۲] کے دانے تھے تلاش محبوب میں تن تنہا حجاز کے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے وہاں جا رہے تھے، جہاں جانے کے بعد پھر انھیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

جذبہ شوق نے منزل کو آسان کیا۔ اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا نہیں بتایا جا سکتا۔ کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پہلے بھی کسی افق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نہیں ہیں۔ لیکن جگر سوختوں سے اب

---

[۱] سکندر کی الوالعزمیاں سراسر جاہ ومال کی دیوتاؤں کی تابع تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت فقط اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تھی حافظ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ ۱۲

[۲] مقل کے عام معنی گوگل کے ہیں جو دعوئی اور بخورات میں استعمال کئے جاتے ہیں لیکن اس کے اور معنی بھی ہیں صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ دوم کے پھل کو بھی کہتے ہیں۔ جو کھجوروں سے مشابہ ہوتا ہے۔ غیاث نے بیروں کے مشابہ بتایا ہے۔ اور یہی یہاں مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

بھی پوچھ سکتے ہو جن کے سامنے وہ چہرہ اپنے مسکراتے ہوئے ناصیۂ جمال سے یکایک ظاہر ہوتا ہے اور شعور والے اس پر تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی جانوں کو کھو بیٹھے ہیں فالحیوۃ حیوتھم والممات مماتھم

اس کی مستی کو مجھ سے نہ پوچھو کہ میری ایسی قسمت کہاں ہے۔ ہاں وہ بتا سکتے ہیں جو "روضۃ" "من ریاض الجنۃ[1]" کی گل بیزیوں سے وارفتہ ہو کر

واعظ مکن نصیحت شوریدگان کہ ما	با خاک کوئی دوست بفردوس ننگریم

چلائے ہیں۔ آہ! کہ جن کی آخری تمنا۔

زاں پیشتر کہ عمر گراں مایہ بگذرد	بگذار تا مقابل روئے تو بگذریم

کے علاوہ کبھی بھی کچھ نہیں رہی فطوبیٰ لھم وحسن مآب ویرزقنی اللہ الاقتداء بھم۔

بہرکیف شیفتۂ نادیدہ کا مکہ میں داخلہ ہوا اس دیار میں آپ کی کسی سے جان پہچان کب تھی۔ سامنے حرم نظر آیا سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے، اور ایک بے کس مسافر کی طرح خدا جانے کس کے انتظار میں وہیں کہیں کونے میں پڑ رہے۔

مکہ مکرمہ کے تیس دن

حرم میں قریش عموماً اکثر ہی آتے جاتے رہتے تھے، اور ہو سکتا تھا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد کسی سے دریافت کر کے اس آستانے تک پہنچ جاتے جس کے لئے قبیلہ غفار سے کھینچ کر وادی بطحا اور وہاں سے حرم تک لائے گئے لیکن یہ طبع غیور کو گوارا نہ تھا۔ کہ احسان کو جس سے زیادہ گرانبار احسان ممکن نہیں بت پرستوں کے وسیلے سے سر پر رکھا جائے۔ بخاری میں ہے۔

فالتمس النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکرہ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ڈھونڈھا، مگر اس کو ناپسند

---

[1] حدیث میں ہے۔

مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔	میرے گھر (جو اب روضۂ مطہرہ ہے) اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ۱۲

کرتے تھے کہ کسی سے پوچھیں۔

آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، نگاہیں تاڑیں گی، دل پہچانے گا۔ اسی تلاش میں دن گذرتا جاتا تھا۔ لیکن کوئی پرواہ نہیں۔ حتیٰ کہ مقل کے دانے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے، زنبیل خالی تھی۔ گرہ میں دھیلا تک نہیں تھا۔ بھوک نے حضرت ابوذر کو بے چین کر دیا تھا بہت ممکن تھا۔ کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے۔ آپ کی آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی۔ جو بھوک کی ترشی سے اتر سکتی۔ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھتے اور زمزم کی چند چلو سے تھوڑی دیر کے لئے اسے بجھا دیتے پھر اگر ستاتی، تو اس سے زیادہ جواب آپ کی طرف ۳۰ دن کے عرصہ میں کبھی نہیں پایا گیا۔ کہ ڈول کھینچا۔ اور چند گھونٹ حلق کے پار کر لیا اور بس۔[۱]

غرضکہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابوذر کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف اس آفتاب کو تلاش کرتی تھیں جس سے روح کی رات دن ہوتی تھی۔ رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں آپ کی نظریں اس تارے کو ڈھونڈھتیں، جس نے دنیا کے سیکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لئے لگا دیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہوتا تھا، فراق تھا جس کی جگر سوزی آنا فانا بڑھ رہی تھی۔

قریش کا ظالمانہ برتاؤ

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گذرا کہ جس کو ڈھونڈھتا ہوں اگر وہ نہیں ملتا تو چلو! اس کے کسی غلام سے پتہ پوچھیں۔ غیرت کا تقاضا اگر ہے تو صرف وہ کفار وں تک محدود ہے۔ لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

غرض یہ سوچ کر تاک میں لگے رہے۔ اتفاق سے ایک مجھول الحال، شکستہ آدمی حرم میں داخل ہوا۔ چوں کہ فلاکت زدہ تھا۔ سراغنۂ قریش نے شاید اس کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہوگی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس شخص سے بہت مطابق ہے اسی سے دریافت کرنا چاہئے۔ قریب پہونچے اور پوچھا۔

---

[۱] مسلم در طبقات ۲۰ ج ۱

این ھذا الذی تدعون الصابی | جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو کہاں رہتا ہے۔

لیکن دراصل یہ آپ کو دھوکہ ہوا۔ وہ واقع میں کفار کے گروہ کا آدمی تھا۔ اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا، بلکہ یقین ہوگیا۔ کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کا آدمی ہے جواب توکیا دیتا۔ یکایک اُس نے چیخ ماری۔

ھذا الصابی | ارے یہ صابی ہے۔

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف بھرے ہوئے تھے، ہر شخص گوش برآواز رہتا تھا اس کی آواز بجلی بن کر کفار کے دلوں میں کوندی۔ پھر جو کچھ ہوا۔ وہ حضرت ابوذر رض کے زبانی سنو!

فمال اھل الوادی بکل مدرۃ وعظم | ڈھیلے، ہڈیاں اُٹھائے کر دالے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔

فخررت مغشیا علی (طبقات صحیح مسلم) | (اور اس قدر مارا) کہ میں چکرا کر گر پڑا۔

محبت کی امتحان گاہ میں غفار کا ایک مہمان و سردار بصد مظلومی و بیکسی، خدا کے سامنے، حرم میں بت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جارہا تھا، لیکن عشق کے فرشتے، ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے، ہوش آیا خدا جانے کس وقت آیا، اور کتنے مظالم کے بعد آیا۔ مگر جب آیا تو۔ آشفتہ سری بحال تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ اور زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ خود فرماتے تھے۔ اور نہایت شگفتگی سے فرمایا کرتے

فارتفعت حین ارتفعت کانی نصب احمر فاتیت زمزم فشربت مائھا وغسلت عن الدماء (طبقات وغیرہ) | پھر میں اُٹھا جس وقت اُٹھا، گویا میں ایک سرخ بت تھا (یعنی خون میں نہائے ہوئے تھے)، اسی وقت زمزم پر آیا پانی پیا، اور خون دھویا۔

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہوگئے ہیں۔ لیکن نہ کسی کی شکایت ہے اور نہ گلہ۔ نہایت اطمینان سے زمزم پر آئے۔ پانی پیا، خون دھویا۔ ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ دہاں خیال ہی اور تھا۔ سلہ

حافظ چو رہ بکنگرہ کاخ وصل نیست
باخاک آستانہ ایں در بسر بریم

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

وضعداری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ناموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے اُن سے قطع تعلق کر لیا۔ اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے کرو! کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں پڑتی ہیں۔ لہو بہتا ہے۔ دھکے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن پاؤں نہیں ہلتا۔ حرم کے دروازے سے "پندارم توئی" کی امید میں نگاہ انتظار نہیں ہٹتی۔ احساس تک نہیں۔ کیا ہوا اور کیا گذری۔

اولٰئک یجزون الغرفۃ بما صبروا ویلقون فیہا تحیۃ وسلامًا۔	یہی لوگ ہیں جن کو "غرفہ" کے ساتھ (جنت میں) بدلہ دیا جائیگا اور اس میں پائیں گے سلام وتحیۃ۔

کہا جاتا ہے کہ "مجاہدات" کی کوئی اصل نہیں، حتیٰ کہ میں نے بعضوں سے یہ بھی سنا، کہ صلوٰۃ خمسہ میں خشوع اور خضوع کی بھی ضرورت نہیں۔ اور دلیل بیان کی جاتی ہے! کہ صحابہ سے یہ باتیں منقول نہیں حالانکہ اولاً یہ سراسر غلط ہے۔ آثار وحدیث سے ہم قطع نظر بھی کر لیں۔ تو قرآن کی یہ آیتیں۔

والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا۔	جو (سر) ٹیکے یا کھڑے کھڑے رات گذارتے ہیں اپنے پروردگار کے لئے۔

کس کا حق ہے اگر صحابہ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعویٰ کر سکتا ہے یا مثلاً

انھم کانوا قبل ذٰلک محسنین کانوا قلیلا من الیل ما یھجعون ط وبالاسحار ھم یستغفرون ط وفی اموالھم حق للسائل والمحروم۔	اس سے پہلے یہ اپنے اعمال کو خوبصورت بنانے والے تھے بہت تھوڑی رات سویا کرتے تھے، اور پچھلے کو اٹھ کر گناہوں کی بخشش طلب کیا کرتے تھے، ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے حق تھے۔

" واللذین جاہدوا فینا" کے مجاہدہ کی یہ تفصیل الٰہی نہیں اور کیا ہے۔ صحیح ہے کہ بلا خضوع کے نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے۔ لیکن کس نے کہا! کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے، حالانکہ عذاب دینے والا تو فرماتا ہے۔

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم	کامیاب ہوئے وہ مومنین جو اپنی نمازوں میں خشوع

خاشعون | کرنے والے ہیں۔

تو کیا اس فلاح کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نہیں ڈھونڈتے تھے۔

اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے (حالانکہ نہیں مانا جاسکتا) کہ صحابہ میں مجاہدات کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سرفروشوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے کو اس طرح مٹا دیا تھا جس کی ایک ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذر کی سوانح میں آنے والے ہیں۔ ان کے لئے کسی دوسرے "مجاہدہ" و "ریاضت" کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک "سبیل اللہ" کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا۔ کیوں کر ان دعووں کو زبان تک لاسکتا ہے جس کو میں سنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہرحال تیس دن کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہو سکی۔ اور جو کچھ ہیں بھی، ان میں ظاہراً سخت تعارض ہے۔ حتیٰ کہ علامہ قرطبی کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا۔

وفی التطبیق بین الروایتین تکلف شدید[۱] | دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے۔

حافظ ابن حجر کے مشورہ سے یا روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک میں پہنچا ہوں اس کی ترتیب درج ذیل ہے۔

پہلا واقعہ یہ تو ظاہر ہے، کہ حضرت ابوذر نے اس حادثہ کے بعد بھی، حرم محترم کو نہیں چھوڑا۔ جو دھن تھی، وہ بندھی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے انہیں دنوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر گذر ہوا۔ گرچہ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی۔ لیکن قیمت کی بہتری میں اس وقت بھی کیا کلام ہو سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا، کہ ایک طرف ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے آپ کو رحم آیا۔ قریب آکر دریافت فرمایا۔

---

[۱] فتح الباری جزء ۷ مطبوعہ انصاری صفحہ ۱۲۲۔

ممن الرجل	کہاں کے آدمی ہو۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا۔

من غفار	قبیلہ غفار سے ہوں

فرمایا۔ کہ

قم الی منزلك	اپنی فرودگاہ کو تشریف لے چلیں۔

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں۔ مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذرؓ چوں کہ دھوکہ اٹھا چکے تھے اظہار مدعا تو مناسب نہ جانا۔ اُٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گھر تک پہونچے خود فرماتے ہیں کہ نہ انھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کچھ کہا۔"

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہونچے، اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکہ کی کوچہ و بازار میں، شام تک مصروف جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام تشریف لائے، دیکھا کہ مسافر اب تک موجود ہے۔ آپ نے پھر فرمایا۔

اما ان للرجل ان یعرف منزله	کیا آدمی کے لئے اپنی فرودگاہ تک جانے کا وقت نہیں آیا

آپ اُٹھے اور یکلبسہ اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گذر گئی۔ ایک دوسرے کو کیا معلوم کہ دونوں ایک ہی فتراک کے نخچیر ہیں۔

حضرت ابوذر پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آدھمکے اور دن بھر گھومتے رہے۔ لیکن قسمت چلّا رہی تھی کہ "جا! اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھ! کہ پھر کیا ہوتا ہے۔"

دوسرا واقعہ یا دولت بیدار — قیاس کا مقتضی ہے کہ آج کسی خاص ضرورت نے حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کو حرم کی طرف آنے کی فرصت نہ دی۔ حضرت ابوذرؓ نے انتظار کیا ہوگا، لیکن جب مایوس ہوئے، تو وہیں کہیں پڑ رہے۔ سونے کے ارادہ سے لیٹے مگر نیند نہیں آتی تھی۔ بے چین آج زیادہ تھے حتی کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سناٹا ہوگیا، لوگ سو پڑ رہے، اس وقت رحمت سماویہ

جھکی، اور حضرت ابوذرؓ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو واقع میں نہیں ٹوٹا تھا اس نے اپنے آغوش میں اُٹھا لیا۔ مسافروں کے ہنگامۂ آہ و بکا، بچوں کی نالہ و زاری نے جس بیدار کو غفار کی سڑک پر پیدا کر کے، حضرت ابوذرؓ کی تمام تر غارتگریوں کو، کاروانوں سے پھیر کر خود اُن کی آسایش و لذائذ، ارمان و خواہشات کے قافلوں کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی خبر آج نکلتی ہے، اس رات کے منظر کو خود آپ ہی کی زبانی سننا چاہیئے۔ فرماتے ہیں۔

فلبینما اھل مکة فی لیلة قمراء اضحیان اذ ضرب الله صمختهم فما یطوف بالبیت احد منهم غیر امرأتین۔

(صحیح مسلم وطبقات)

چاندنی رات خوب روشن تھی (اہل مکہ اپنے کاموں میں مصروف تھے)، کہ یکایک خداوند تعالیٰ کی زبردست قدرت نے تھپکیاں دے کر انھیں سلا دیا (سناٹا سا ہو گیا تھا) حتیٰ کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والوں میں بھی اس وقت دو عورتوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

یہ عورتیں کعبہ کے گرد گھوم گھوم کر "اساف و نائلہ"[1] سے کچھ مانگ رہی تھیں خدا جانے حضرت ابوذرؓ

---

[1] "اساف و نائلہ" جاہلیت کے دو مشہور بت ہیں، مشہور تھا کہ دراصل یہ دونوں پہلے آدمی تھے، اساف مرد تھا، اور نائلہ عورت تھی۔ دونوں قبیلہ جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ یمن ان کا وطن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اساف نائلہ کے حسن پر فریفتہ ہو گیا۔ نائلہ نے بھی جب اس کے حسن و جمال کو دیکھا تو دل دے بیٹھی۔ صورت حال دونوں کو یمن میں ملنے سے مانع تھی۔ آخر مکہ معظمہ حج کے حیلے سے آئے، جاہل عربوں کا عقیدہ تھا کہ ایک دن دونوں کو حرم میں تنہائی مل گئی۔ اور وہیں امر شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اس پر خدا کا غضب نازل ہوا دونوں پتھر کے ہو گئے، عبرت کے لئے لوگوں نے ایک کو صفا پہاڑ پر اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر رکھ دیا تھا۔ عمرو بن لحی خزاعی نے جب عرب میں بت پرستی پھیلائی تو خاص کر ان دونوں کو اس نے بہت اہمیت دی تھی۔ اس نے اپنے زمانہ میں ان کو پہاڑوں سے اتار کر ایک کو کعبہ سے لگا دیا۔ اور دوسرے کو چاہ زمزم پر نصب کر دیا تھا۔ زمانے عرب جاہل ان کی پرستش کرتے تھے۔ آخر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان سے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ ممکن ہے کہ عربوں کے اس بیہودہ فسانہ پر تعجب ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بت پرستوں کے ہاں یہ باتیں عام ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس قسم کے قصے اکثر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً راماین میں اہلیا اور اندر کا واقعہ قریب قریب اسی کے ہے۔ (بقیہ آیندہ)

کو کیا سوجھی، کہ جس کونے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے آواز دی۔

انکحا احدھما الاخر | ایک کا دوسرے سے نکاح کردو۔

مقصد یہ تھا کہ ارے ان بتوں سے کیا مانگتی ہو۔ بزعم تم لوگوں کے وہ خود فراق میں تڑپ رہے ہیں
ہاں اگر دونوں کو بیاہ دوگے، تو ممکن ہے کہ تمھاری سنیں۔
اس طنز آمیز آواز کو خاص کعبہ سے سنتے ہی یکایک وہ ضرور رکیں چونکیں مگر یا "اساف یا نائلہ" کی آواز
بلند ہوتی ہی رہی آخر جب طواف کرتے کرتے حضرت ابوذر کے قریب پہنچیں فوراً اپنی آنکھیں بند کریں
اور وہ انھیں سویا ہوا دیکھ کر اور کچھ اس ڈر سے بھی کہ مرد ہے اگر چھیڑتی ہوں تو ممکن ہے کہ بری طرح
خبر لے۔ صرف گالیاں دیتیں اور

لو کان ھھنا من انفادنا احد | کاش میری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا

بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہوگئیں۔ دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک پہاڑی پر چڑھیں۔ اس سے
اتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حرم کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ یہ عورتیں کسی کو نہیں پہچانتی تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
گوش اقدس تک ان کی گفتگو کے چند سخت الفاظ پہونچ چکے تھے آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا۔

مالکما۔ | تم دونوں کا کیا حال ہے (کیا واقعہ ہوا)

عورتیں کیا کہوں صابی[1] کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے۔
آپ نے فرمایا پھر اس نے کیا کہا۔
عورتیں۔ کیا کہا، زبان تک رنے کی بات ہے۔ بس بری بات بک رہا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہا جاتا ہے کہ گوتم رشی بڑا عالم تھا اس سے اندر دیوتا وید پڑھنے آتا تھا اس کی بیوی اہلیا کو دیکھ کر عاشق ہوگیا۔ گوتم نہانے گیا تھا کہ اندر نے اس سے بدفعلی کی۔ گوتم نے آکر دیکھا تو بد دعا دی۔ اندر کے جسم میں ہزار بھگ (علامت نا مناسب) پیدا ہوگئی اور اہلیہ پتھر کی ہوگئی۔ ۱۲ منہ

[1] کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے یعنی دین حق سے پھرا ہوا۔ ۱۲ منہ

اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں آپؐ اور یہ دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت ابوذرؓ کی نیند عورتوں کی اس ظرافت سے اور بھی اُچٹ گئی تھی چپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں، کہ یکایک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے، حضرت ابوذرؓ کی نگاہ جم گئی، پھر مجھے نہیں معلوم کہ کب تک جمی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دیئے نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں، کہ اس وقت ابوذر کی ششدر و حیران آنکھوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو نیاز و عقیدت کا ایک پیکر مجسم سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

السلام علیک یا رسول اللہ۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ، فرما کر پوچھا۔

ممن انت	تم کس قبیلے کے آدمی ہو۔

حضرت ابوذر۔

من غفار	یعنی قبیلہ غفار سے ہوں۔

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا۔

فاهوى بيده الى جبهته	آپ نے اپنے ہاتھ کو پیشانی کی طرف جھکایا۔

رائیں مختلف ہیں۔ کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انتساب کو ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ خود حضرت ابوذر رضؓ سے اس کی شرح میں مروی ہے۔

قلت فی نفسی کره انی انتسبت الى غفار (طبقات)	میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفار کی طرف میرے انتساب کو آپ نے ناپسند فرمایا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ سن کر متعجب ہوئے اور یہ فعل محض اظہار تعجب کے لئے تھا۔ حقیقت کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عجب النبی صلی اللہ علیہ انهم يقطعون	آپ کو تعجب ہوا کہ غفار تو راہزنی کرتے ہیں اِن میں ایسا

الطریق فجعل النبی صلعم یرفع بصرہ فیہ ویصوبہ تعجبا من ذلک لما کان یعلم منھم[۱] صفحہ ۱۶۲ ج ۴

شخص کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے اس کے بعد آپ نے پھر متعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جھک کر دیکھتے کیوں کہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے[۱]۔

اس صورت میں جملہ فاھوی بیدہ الی جبھتہ سے مقصود یہ ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے بغور ان کو دیکھنے لگے، واللہ اعلم، ایک صوفی کا خیال ہے کہ حضور نے نظرا دل میں آپ کو پہچان لیا تھا لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحل سلوک میں اس غفاری فرہاد کو شب ہجر کا ایک بے ستون کاٹنا اور بھی باقی ہے واللہ اعلم اور کچھ ایسا ہی ہوا کہ اس رات میں "اسلام" و "ایمان" کا کوئی ذکر نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصداً یہ معاملہ ٹلا دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے کہ دست مبارک پر کلمہ پڑھیں لیکن حضرت صدیق رضؓ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا خود ان کا بیان ہے

فذھبت اخذ بیدہ فقدعنی صاحبہ وکان اعلم بہ منی۔ صفحہ ۱۶۲ ج ۴

میں چلا کہ حضور کا دست مبارک پکڑ لوں لیکن ان کے ساتھی نے مجھے روک لیا۔ وہ بہ نسبت میرے حضور کی طبیعت سے زیادہ واقف تھا۔

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ابھی تک ان سے مطمئن نہ تھے اس لیے ایسا کیا لیکن صوفیانہ نقطہ نظر کے اعتبار سے اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اشارہ سے ایسا کیا گیا کہ طے منازل کی ایک سیڑھی یہ بھی تھی تو کیا مضائقہ ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کی ضیافت

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا، تم یہاں کب[۲] سے ہو، آپ نے فرمایا کہ تقریباً تیس راتیں یہاں گذر گئیں۔

حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ تمھیں کھلاتا کون تھا۔

---

[۱] طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا ان اللہ یھدی من یشاء خدا جس کو چاہے ہدایت کرے ۱۲ [۲] صوفی کا خیال ہے کہ یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہاں کس لئے آئے ہو، یہ کہا کہ کب سے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مقصد کو اس وقت درمیان میں لانا ہی منظور نہیں[۹]۔ ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں صرف سونے کے لئے کچھ رات گذرتے ہوئے دو دن سے
جایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی اسس لئے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کے یہاں کھانیکی مہمانداری نہیں ہوئی تھی "کہ اسقدر مفلس ہیں۔ بہرکیف جو سچی بات تھی بیان
کردی کہ ایک زمانہ سی میری گذر صرف زمزم کے پانی پر ہی اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت بیان کی۔ فرماتے ہیں۔

فسمنت حتی تکسرت عکن بطنی فما وجدت علی کبدی سخفۃ جوع۔ (مسلم)	میں موٹا ہوگیا۔ حتیٰ کہ پیٹ کی شکن لٹک گئی (زیادہ فربہی میں ایسا ہوجاتا ہی) حتیٰ کہ اپنے جگر پر میں بھوک کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔

انھا مبارکۃ انھا طعام طعم	اس میں برکت دی گئی اور سیر کرنے والی غذا ہی۔

حضرت صدیق رضؓ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "کہ مجھے اجازت
دیجئے کہ میں آج کی رات انھیں اپنا مہمان بناؤں" آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت صدیق رضؓ
ان کو ساتھ لئے ہوئے گھر لائے، دروازہ کھولا۔ اور طائف کی کچھ کشمشیں ان کے حوالے کیں۔ حضرت ابوذر رضؓ
فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر میں مجھے نصیب ہوا[۱]

اسلام لانا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آگئے، جب رات ہوئی تو آج حضرت علی
کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لے کر گھر پہونچے مگر یہ اسی طرح ساکت وصامت ہیں۔ آخر
حضرت علی رضؓ سے نہ رہا گیا اور فرمایا۔

ما الذی اقدمك۔	آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی؟ کس ضرورت سے آئے ہو؟

چونکہ گذشتہ راتیں باوجود سب کچھ ہوجانے کے چونکہ ان کے لئے کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے دل
بھرا ہوا تھا، پیمانہ صبر چھلک پڑا، بولے "کہ اگر عہد کرتے ہو تو میں بتاؤں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
عہد کیا، آپ نے کہا "اگر تم میری راہنمائی کرسکو" جب کہوں گا" انھوں نے حتی الوسع اس کا بھی

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۴ از بخاری ج ۱

وعدہ کیا، آپ نے فرمایا "کہ میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں یہ سن کر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا لیکن اس نے کچھ تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی آخر میں خود اس شخص سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا جانے کیا کیا کہا تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے[2]

قال فانه حق وھو رسول اللہ فاذا اصبحت فاتبعنی فانی ان رایت شیئاً اخاف علیک قمت کانی اریق الماء فان مضیت فاتبعنی حتی تدخل مدخلی (بخاری)

یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ جب صبح ہو تو تم میرے ساتھ چلو راستے میں اگر ایسا واقعہ نظر آئے (مثلاً کوئی کافر سامنے آجائے گا) کہ جس میں مجھے خطرہ معلوم ہو تو میں بیٹھ جاؤں گا، گویا پیشاب کر رہا ہوں، (تم چلے چلنا) پھر جدھر میں جاؤں، چلے آنا، حتی کہ جہاں داخل ہو جاؤں تم بھی وہاں آجانا۔

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذر رضہ اس آستانے کی طرف جا رہے تھے جس کی غلامی کاتب ازل نے ان کی پیشانی میں لکھدی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ حتی کہ وہ دروازہ سامنے آگیا۔ حضرت علی رضہ اور ان کے ساتھ ابوذر رضہ تعالیٰ اس میں داخل ہو گئے۔

ایک چبوترے پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طلعت قدوسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام فرما رہے تھے، حضرت علی رضہ نے اشارہ کیا آپ بیتابانہ دوڑ پڑے اور سلام عرض کیا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی فرمایا علیکم السلام حضرت ابوذر رضہ رات کے واقعہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ جانتے تھے کہ کہیں معاملہ پھر نہ ٹل جائے، قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا "کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے سنائیے۔ آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا، خدا فرماتا ہے، حضرت ابوذر رضہ نے فرمایا بس وہی پڑھیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۵ ج ۴۔ [2] طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنا رشتہ و عقیدت کو ظاہر کیے ۱۲ تتمہ بخاری ۱۲

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورہ (نام پر اطلاع نہ ہو سکی) تلاوت فرمائی۔ ادھر سورہ ختم ہوئی اور ادھر حضرت ابوذر رضؓ نے

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ[۳] کے ساتھ ایک چیخ ماری جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ نہ دلیل تھی اور نہ حجت صرف ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشکوۃ سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک سماوی روغن بھرا ہوا تھا قریب تھا کہ بھبک اُٹھے، آخر بھڑکا کہ پھر کبھی نہ بجھا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرۂ زمین پر کل چار تھی ایک اور کا اضافہ ہو گیا۔[۴]

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کی خوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو غور کیا۔ تو پہچان کر فرمایا۔

الیس ضیفی بالامس۔	کیا وہی شخص نہیں جو کل میرے مہمان تھے۔

اور جھک کر فرمایا۔

انطلق معی	میرے ساتھ چلئے۔

ایک زمانہ گذر چکا تھا کہ حضرت ابوذر رضؓ نے اپنا گھر چھوڑا تھا۔ کپڑے بالکل میلے ہو گئے تھے۔ اس وقت حضرت صدیق رضؓ نے دو کپڑے رنگین وخوبصورت نکال کر دیئے۔ آپ نے غسل کیا کپڑے بدلے، اور جب تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ

آثار و روایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر فروکش رہے۔ لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہو چکی تھی لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ قبیلہ غفار کے کوئی ممتاز آدمی ہیں مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالانکہ اس زمانے میں مشرف

[۲] طبقات ۲۲۱ [۳] طبقات ۲۲۳ [۴] طبقات ۲۲۴ طبقات ابن سعد مطبوعہ صفحہ ۱۲۴ ج ۴ - ۱۲

با سلام ہو چکے تھے) آپ کو جانتے تھے، کفار وں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

الستم تعلمون انہ من غفار طریق تجارکم الی الشام ۔	کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جو تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ ہو۔

بہرکیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندان عبدالمطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کی زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحب طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے غفاری ہونے کا علم حضرت عباس رضؓ کو بھی اسی کے بعد ہوا ہو گا، وہ راوی ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مہمان تھے اسی زمانہ میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے دیکھا کہ پھر ایک عورت طواف کر رہی ہے اور گھوم کر نہایت فصاحت و بلاغت عاجزی و خاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دعا بھی تک مبہم تھی اس کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کو مخاطب کر کے مانگ رہی ہے حرم چونکہ بیت اللہ تھا حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا ہو گا، کہ خدا کو پکار رہی ہے اور اس پر خوش ہوں گے لیکن جب ختم کر چکی تو اس کے بعد پھر وہی۔

یا اساف یا نائلہ ۔	اے اساف اے نائلہ ۔

چیخنے لگی۔ آپ سنتے ہی جھلا اٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے وہی جملہ۔

انکحی احدھما صاحبہ	ایک کا دوسرے سے نکاح کر دے ۔

نکل پڑا، چونکہ دن کا وقت تھا، عورت بلا خوف و خطر شور مچاتی ہوئی آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

انت صابی ۔	تو صابی ہے ۔

کفار قریش کی ایک جماعت وہیں پر موجود تھی انت صابی کی آواز سنتے ہی حسب عادت دوڑ پڑے اور جس طرح پہلے مارا تھا مارنا شروع کیا۔ اتفاق سے بنی بکر کے قبیلے میں اس کی جم

پہونچی، کہ قریش ایک بیکس مسافر کو بری طرح مار رہے ہیں چونکہ ان دونوں قبیلوں میں ایک زمانہ سے رقیبانہ تعلق تھا فوراً کچھ جوان آئے، حرم پہونچے اور نہایت حقارت کے ساتھ قریش کو ڈانٹا کہ واہ! تمھارے قبیلے میں جو "صابی" ہیں ان کو تو نہیں مارتے، ایک بیچارا مسافر آگیا بس سارا نزلہ اسی کی طرف رجوع ہوگیا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، یہ کہتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان ظالموں سے نجات دلائی آپ اسی صورت و حالت کے ساتھ دربار نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور فرمایا۔

یا رسول اللہ اما قریش فلا ادعھم حتی اثار منھم ضربونی۔	یا رسول اللہ قریش سے جب تک بدلہ نہیں لوں گا انہیں نہیں چھوڑ سکتا انھوں نے مجھے مارا ہے۔

اسلام کی دعوت پر سرفرازی مکہ معظمہ میں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی جن میں پانچویں حضرت ابوذر تھے۔ ایسے ضعف کے وقت آپ کی بہادرانہ شجاعت، مردانہ ہمت، کو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے، اسی وقت خیال گذرا کہ جس عام "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا وقت آپہونچا ہے اسی کے بعد سب سے پہلے پہل اسلام میں جس عمامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا آپ نے فرمایا۔

انی وجھت الی ارض ذات نخل ولا احسبھا الا یثرب فھل انت مبلغ عنی قومک عسی اللہ ان ینفعھم بک ویاجرک فیھم۔	میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ کیا گیا ہوں۔ اور میں اسے مدینہ کے علاوہ اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا تو کیا تم اپنی قوم کو میری جانب سے تبلیغ کرسکتے ہو ممکن ہے اُنھیں خدا تم سے نفع پہونچائے اور تمھیں اجر دے۔

جس آستانے پر اتنی تگ و دو کے بعد پہونچے تھے، انصاف کرسکتے ہو کہ اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہوسکتی تھی لیکن کیا کرتے جبکہ

فکر خود و رائے خود، در عالم رندی نیست ۔ کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

آخر یہی ہوا کہ اب دعوت تبلیغ کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا۔

انی منصرف الی اهلی و ناظر متی یومر بالقتال فالحق بک۔ | (اچھا) میں اپنے گھر جاتا ہوں (مگر) انتظار کرتا رہوں گا کہ جنگ کا حکم کب دیا جاتا ہے بس اسی وقت آپ سے ملوں گا

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانے تک محدود کر دیا جائے، کم از کم اسی امید پر جیوں گا اس کے بعد یکایک آپ کو خیال گذرا کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو نہیں صادر فرمایا۔ کہ اس ترکیب سے میں مکہ معظمہ کو چھوڑ دوں گا۔ معاً اس خیال کے آتے ہی تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

فانی اری قومك عليك جميعاً۔ | اور آپ کی قوم چونکہ متفق ہو کر آپ کے درپے ایذا ہے اس لئے بھی میرا جانا ہی مناسب ہے۔

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ وارشاد کا کام لینا منظور تھا ساتھ ہی یہ بھی مدنظر تھا کہ ابوذر رض ایک سخت آدمی ہیں، خواہ مخواہ اسی طرح دشمنان اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اُٹھانا پڑے گی جس کی چند نظیریں گذر چکی ہیں ان کے اس سوال کو سن کر ارشاد فرمایا۔

اصبت | سچ کہتے ہو (یعنی مجھے یہ فائدہ بھی مقصود ہے)

یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رض تعالیٰ کی رگ حمیت پھڑک اُٹھی، غیرت کا خون پیشانی پر جوش مارنے لگا۔ کفار قریش پر آگ ہو گئے جوش و خروش میں اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے۔

لا ارجع حتی اصرخ بالاسلام فی المسجد | میں نہیں جا سکتا جب تک (کلمہ) اسلام کے ساتھ مسجد حرم میں جا کر نہ چیخوں۔

حتی کہ غیظ میں آکر قسم کھا بیٹھے بخاری کا جملہ ہے۔

والذی نفسی بیدہ لاصرخن بها بین ظهرانیهم۔ | قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان کافروں کے درمیاں میں جا کر چیخوں گا۔

اور کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرم میں داخل ہوئے، قریش کا مجمع موجود تھا ٹھیک ان کے درمیان

میں گھس کر نہایت اونچی آواز میں۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں،
واشھد ان محمداً رسول اللہ	اور محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

کا نعرہ بلند کیا، قریش میں اس کے سننے کی کب تاب تھی، "صبوت، صبوت" کہتے ہوئے ان پر جھک پڑے اور جی کھول کر مارنا شروع کیا۔ مگر ان کی زبان پر بدستور کلمہ شہادت جاری تھا۔ لات گھونسے ڈھیلے، لکڑیاں پڑ رہی تھیں لیکن کوئی پرواہ نہیں کہ یہاں صرف دکھانا یہی تھا کہ قریشیوں کے ان زنانہ حرکات سے ابوذر کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا۔ ہر بُنِ مو کی زبانِ حال سے آواز آرہی تھی۔

کن رہا تیرے کہ دارم ذوقِ پیکان دگر۔

خدا جانے اس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہتا مگر حسن اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گذر ہوا۔ آپ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"ارے کیا کرتے ہو! انھیں پہچانتے ہو کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمھارے شامی تاجروں کا راستہ ہے" یوں کہ حضرت عباس رض قبیلے کے مقتدر لوگوں میں سے تھے، مکہ والے آپ کا خیال کرتے تھے، لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا حضرت ابوذر غفاری اُٹھے خوش تھے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے عملاً دیدیا ہے! مگر پھر بھی دل کو تسلی نہیں ہوتی تھی بخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح پھر حرم پہونچے اور کلمہ شہادت کو آوازِ بلند پڑھنا شروع کیا، قریش اس وقت حضرت عباس رضی اللہ کے خیال سے باز آئے تھے آج پھر وہی معاملہ دیکھ کر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ کو خدشہ لگا ہوا تھا آئے۔ تو کل ہی کا واقعہ پیش نظر تھا۔ پھر آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ فرمایا کہ

کیا تمھارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لوٹے جائیں"۔ "آخر کیا کرتے ہو"

بدستور سابق آپ کو دیکھ کر کفار رک گئے۔ بہرکیف جب حضرت ابوذر نے اچھی طرح عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن اقدس میں ثابت کر دیا کہ ابوذر رض اس لئے نہیں جاتا کہ وہ

مکہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا ہے بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے جس کا چھوڑنا اسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل اور خدا کے دین کی اشاعت و نشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اسے مطمح نظر ہے۔

اس کے بعد آپ مکہ معظمہ سے بصد حسرت و یاس رخصت ہوئے۔

مکہ معظمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتداء

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیار یار سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا لیکن آثار و کتب سے مایوسانہ جواب ملا، بچھڑنے والے، اپنے دل پر ہاتھ رکھیں، اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس پیشتر مکہ کے کسی وادی میں ایک گھائل دل پر گذر رہا تھا اس کا اندازہ کریں چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا جس مقام میں آپ کے بھائی اور والدہ فروکش تھیں پہونچے۔ حضرت انیس رض تعالیٰ منتظر تھے نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ

آپ نے کیا کیا" بولے کہ اور کیا کرتا" اسلمت وصدقت مسلمان ہوگیا اور (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کی۔ حضرت انیس رضی اللہ کے دل میں بھی وہ نور مکہ ہی میں چمک چکا تھا۔ وہاں بیٹھے تھے یہ سنتے ہی فرمایا۔

مالی رغبۃ عن دینک فانی قد اسلمت وصدقت۔	مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں۔ اور میں مسلمان ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔

حضرت ابوذر رض کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ جو کچھ مسرت ہوئی ہوگی وہ ان کا دل جانتا تھا۔ یا وہ بیان کر سکتے ہیں جنھوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہو اور کامیاب ہوئے ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیس رض کے سامنے اس عہدہ کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا اور ان کو بھی اس میں شریک کیا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد

فاتینا امنا	ہم دونوں بھائی مل کر والدہ کے پاس آئے۔

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدۂ سعادتمند بیٹوں کو مسلمان دیکھ کر فرمایا، مجھے بھی اس دین سے

کوئی نفرت نہیں، (دیکھو!) میں مسلمان ہوئی۔ اور جن چیزوں کو تم دونوں نے تصدیق کی میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔"

وانذر عشیرتك الاقربین	اپنے قبیلہ کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔

کا پہلا فرض گویا پورا ہوگیا۔ دونوں بھائی نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رض نے فرمایا کہ قریش مجھ پر بہت ظلم کر چکے ہیں۔ اس عرصے میں انھوں نے مجھے بہت ستایا ہے مجھے عقلاً اور قانوناً حق پہونچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں۔ اور ان شاء اللہ اسی انتقام کے ذریعہ سے مقصد میں بھی کامیابی ہوگی۔

عسفان کی گھاٹیوں میں جا کر چھپنا۔

رائے اس پر مستقر ہوگئی، مع والدہ اور بھائی کے آپ عسفان کی ایک گھاٹی[۵] (جو تجار قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جا کر ٹھیر گئے اور معمول کر لیا کہ اس راہ سے جو قافلہ کفار قریش کا گذرے گا اسے لوٹ لیتے، جب ان پر قبضہ ہو جاتا، اس کے بعد فرماتے اگر تم خدا کی یکتائی پر گواہی دیتے ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو، تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کرو گے، تو یاد رکھو ایک حبہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

قریش آپس میں مشورہ کرتے، کہ وہی ابوذر رض (یعنی جو مکہ میں عام طور سے مشہور ہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں) ایسا کہتا ہے۔ کیا کرنا چاہیئے۔

بعض ایمان لے آتے تھے، اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے۔ جو مسلمان ہو جاتا تھا آپ اس کا سارا مال دانہ دانہ رتی رتی کر کے واپس فرما دیتے، جو انکار کرتا تھا اسے بہ یک بینی و دو گوش روانہ کر دیتے۔

جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے مکہ معظمہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے تھے، اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور اضافہ کی صورت نکل آئی حضرت ابوذر رض جس کام پر مامور کیئے گئے تھے خدا کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہو رہی تھی۔ اس واقعہ میں سب سے زیادہ غور کرنے کی چیز یہی کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر ایمان لانے والے محض مال کی طمع سے مسلمان

ہوتے تھے تو ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ مکہ ہیں جاکر پھر جاتے، لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی۔ جو مسلمان ہوتا تھا بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا، کہ حق و صداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں آپ ایک زمانہ تک نہایت دلیری کے ساتھ اسلام کے اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے۔ باوجودیکہ یہ کل تین آدمی تھے اور اس میں بھی تیسری آپ کی والدہ ایک بوڑھی عورت تھیں۔ لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفار مکہ سے عسفان میں کوئی گزند پہونچا۔ کہ منصب تبلیغ پر پہونچنے والوں کے لئے۔

خدا تمہیں آدمیوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔	وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

کا وعدہ یزدانی موجود ہے۔

وطن کی طرف مراجعت ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت ابوذر عسفان میں کب تک رہے۔ لیکن مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرۃ سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے[۱] عجیب بات ہے کہ جن غفاریوں نے آپ کو محض عام توحید کی بنا پر اس درجہ رنج پہونچایا تھا کہ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے آج حق و صداقت کی کشش ورعب کو دیکھو! کہ بغیر کسی مادی کد وکاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان لے آئے، اور بعضوں نے کہا، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئیں گے تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان ہو جائیں گے۔[۲]

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہاں بھی آپ پہونچے، اور جو کچھ اپنے دل میں لگا کر لائے تھے دوسروں میں بھی اسی کو لگانا شروع کر دیا۔ چونکہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لئے آپ کو اس سے ازحد دلچسپی ہو گئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی پذیر ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکے۔ جو مکہ سے چلتے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ کہ میں دیکھتا رہوں گا کہ آپ کو جنگ کی اجازت کب ملتی ہے۔ جب مل جائے گی فوراً حضور سے آملوں گا۔[۳]

---

[۱] صفحہ ۱۷۵ جلد ۵ مسند امام احمد ۱۲ [۲] مسند امام احمد صفحہ ۱۷۵ ج ۵ ۔ ۱۲ [۳] صفحہ ۱۶۳ ج ۴ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم بھی ہوا۔ بدر و احد جیسی مشہور لڑائیاں بھی واقع ہو چکیں، لیکن حضرت ابوذر کو اپنے کام سے فرصت نہ مل سکی۔ اخیر میں جب کفار عرب دس ہزار جرار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کامل محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے یہاں تک کہ آسمانی قوت نے ہوا میں جنبش پیدا کی جس نے خیمے اکھاڑ دیئے ہانڈیاں دیگیں، اولٹ دیں، فرشتوں نے کافروں کے دل مسل ڈالے دشمنوں میں بلا وجہ سراسیمگی پیدا ہوئی۔ قریش بغیر لڑے بھڑے، مکہ میں آکر چھپ گئے، تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا یقین ایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی۔ غفاری اولاً یوں ہی منتظر بیٹھے تھے اس واقعہ نے ان میں شوق، و اضطراب کو اور بھڑکا دیا۔

مدینہ منورہ کا سفر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بقیہ غفار نے درخواست کی، کہ ہم لوگ مدینہ جاکر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا۔

۵ھ ہجری کے ابتدائی مہینے تھے کہ غفار اور اسلم کی معیت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انھیں قدموں کے نیچے آکر تڑپنے لگا جس کی یاد نے اسکو طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا کیا کچھ واقعات گذرے۔ ہجر و فراق کی داستانوں میں کیا گفت و شنید ہوئی۔ زمانہ اسے اپنے ساتھ لے گیا ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اقدس سے ان کی آنکھوں، بلکہ جانوں، کو نوازتے ہوئے فرمایا۔

غفار غفر اللہ لہا اسلم سالمہا اللہ　　(صحاح مسند)　　غفار خداوند تعالیٰ نے ان کی مغفرت کی، اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔

یہ ایک خاص خصوصیت تھی، جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کے خاندان کے علاوہ آپ نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ اور اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کی بدولت پھیل گئی۔

قبائل غفار و اسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس لوٹے، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ

عنہ، نے حضور کا دامن تھام لیا۔ اور اس مضبوطی سے تھاما، کہ پھر کبھی الگ نہیں ہوئے۔

امارت مدینہ | روز بروز آپ کا اقتدار و اعزاز دربار نبوی میں بڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع[۵۱] میں آپ تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کا امام آپ ہی کو بنایا۔ اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقہ میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا۔ مثلاً غزوہ دومۃ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفۃ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا[۵۲]

ردافت کی عزت | عرب میں عام طور سے دستور تھا کہ جب اونٹ پر سوار ہوتے، تو اپنے کسی خاص آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے۔ جو سوار کی کمر کو تھام لیتا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ردیف آپ کے چچا زاد بھائی فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدہ جلیل تھا جس شخص کو آپ یہ عزت دیتے تھے تو عموماً وہ ردیف النبی صلی اللہ علیہم وسلم کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

ہمارے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کئے جاتے تھے۔ نہ صرف اونٹوں پر، بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں بھی مثلاً گدھے وغیرہ کے حضرت ابوذر کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے، اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے[۵۳]

خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم | اور صرف ردافت ہی نہیں، بلکہ زمانے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خادم بھی رہے ہیں۔

---

۵۱ اس جنگ کا نام ذات الرقاع (یعنی لتوں والی لڑائی ہے) وجہ یہ تھی کہ راستہ نہایت سنگلاخ اور پتھریلا تھا جس سے اکثروں کے پاؤں پھٹ گئے تھے۔ لوگوں نے اس لئے پاؤں میں لتے باندھ لئے تھے۔ چوں کہ ذات الرقاع صحیح روایات کی بنا پر خندق کے بعد واقع ہوا ہے۔ اس لئے حضرت ابوذر کا امیر مدینہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ والتفصیل زاد المعاد۱۲

۵۲ زاد المعاد صفحہ ج ۱۔ ۱۲ء

۵۳ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۸ مسند احمد وغیرہ ۱۲ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے، ایک دن کا واقعہ ہے، کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت سے فارغ ہو کر کچھ رات گذرے مسجد نبوی میں سونے کے لئے آئے، چونکہ اس دن زیادہ کام کیا تھا اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دل دہی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد میں تشریف لائے۔

حضرت ابوذر سو چکے تھے آپ نے انگوٹھے کے اشارہ سے جگایا۔ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ آپ نے پوچھا، ابوذر کیا ہے۔ اُس دن کیا کرو گے جب اس سے (مسجد نبوی سے) تم نکالے جاؤ گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دربار نبوت میں بہت زیادہ شوخ تھے، بولے۔

"اپنی تلوار سونت لوں گا، اور جو مجھے یہاں سے نکالے گا اس کی گردن اڑا دوں گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھایا اور دعا کرنے لگے:

"اے خدا! ابوذر کی مغفرت فرما!"

اس کے بعد حضرت ابوذر کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا۔

اُبوذر! نہیں، ایسا نہ کرنا، جو بھی تجھ پر حاکم ہو، اگرچہ غلام حبشی کیوں نہ ہو جس کی ناک کان اُکھڑی ہوئی ہو۔ تجھے اس کی اطاعت چاہیئے۔ وہ جدھر کھینچے، کھنچ جانا، جدھر ہانکے، چلا جانا۔[۱]"

اور ایسا ہی ربذہ میں ہوا جس کی تفصیل آتی ہے۔

صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت یہ بھی تھی۔ حضور نے بہت سے اسرار آپ کو بتائے تھے لوگ جب آپ سے کوئی حدیث پوچھتے تو فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار بتائے ہیں وہ اگر پوچھتے ہو، تو نہیں بتاؤں گا اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔[۲]

درد محبت

اگرچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ کے اکثر حالات میں نفتہ جگروں کو اس ٹیس کے

---

[۱] مسند احمد بن حنبل وغیرہ ۱۲۔ [۲] مسند احمد بن حنبل صفحہ ۱۶۸ ج ۵ مطبوعہ مصر ۱۲۔

کھلے کھلے نشانات ملتے ہیں جس کے بغیر مومن مومن نہیں ہوتا۔ لیکن بعض واقعات خاص طور پر عبرت انگیز ہیں جس سے محب و محبوب کی باہمی لگاوٹوں کا ایک دلفریب مرقع سامنے کھنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذر کا یہ حال تھا کہ اکثر جب حدیث جاناں کا ذکر فرماتے۔ تو کہتے:

اوصانی حبیبی بثلاث۔ بصلوٰۃ الضحیٰ والوتر قبل النوم والصیام ثلثۃ ایام من کل شہر[1]	میرے محبوب نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی ہے چاشت کی نماز کی اور وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں ہر مہینے میں تین روزے رکھا کروں۔

اور اخیر میں فرما دیتے، کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اوصانی حبی بخمس ارحم المساکین واجالسھم وانظر الی ما ھو تحتی ولا انظر الی ما ھو فوقی وان اصل الرحم وان اقول الحق ولو کان مرا وان اقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ[2]	میرے محبوب نے مجھے (ادر) پانچ باتوں کی وصیت کی، یہ کہ مسکینوں پر مہربانی کروں، اور انھیں کے ساتھ نشست و برخاست رکھوں، ہمیشہ اپنے سے ابتر حال والوں پر نظر رکھوں اور اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں۔ اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کروں اور سچ بولوں، اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو، اور کہتا رہوں، کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا؛ اور نہ فرماں برداری پر قادر ہو سکتا ہوں۔ مگر صرف خدا کی مدد سے؛

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا نام جن کی زندگی کی قسم آسمانوں پر رحمٰن مقتدر کھاتا تھا حبیبی یا خلیلی کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے کبھی کبھی تو حالت بہت غیر ہو جاتی تھی۔ حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے۔ گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ کو بیت المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا صرف اتنے لفظ کہہ کر کہ مجھے میرے

---

[1] مسند احمد ۱۲؍۵ [2] مسند احمد ۱۲؍۵

محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، چیخ مارتے تھے، پھر لوٹاتے کہ مجھے میرے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، اور چیخ مارتے، پھر یہی کہتے کہ مجھے میرے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، اور چیخ مارتے، حتی کہ تیسری بار ضبط کر کے آپ نے حدیث بیان کی[۱]

ایک دن حضرت ابوذر کو خیال گذرا کہ آج تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں لیکن جنت میں کیا ہو گا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہشت میں ہوں گے اور میرا وہاں جانا نہ جانا مشکوک ہے کہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت کی اتباع کامل سے ہوتا ہے اور ہم میں یہ کب ہے۔

الغرض اس کا خلجان اس قدر بڑھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا، کہ یا رسول اللہ ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے، اس سے اُسے محبت ہے لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال و افعال کو بجا لائے (پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہو گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذرؓ کے مقصد کو پہونچ گئے۔ اور فرمایا اے ابوذر تم تو اسی کے ساتھ رہو گے، جس کو پیار کرتے ہو حضرت ابوذر بیتاب ہو کر چلائے کہ یا رسول اللہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں اور انھیں کو دوست رکھتا ہوں سرور کائنات صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے فرمایا۔

"تو اے ابوذر! تم اس کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو، تم اس کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو، تم اس کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو"[۲]

شہیدان محبت کے لئے حضرت ابوذر کا یہ سوال، انشاء اللہ بہت زیادہ ہمت افروز، حوصلہ افزا ہے۔ اعمال میں کمزوریاں ضرور ہیں، اتباع اسوۂ نبویہ، ضرور نایاب ہے لیکن،

انت مع من احببت	تو اس کے ساتھ ہے جس کو دوست رکھتا ہے۔

بھی ایسی سچی زبان صلوات و علی صاحبہ وسلامہ کے امواج صادقہ ہیں جس کی سچائی کی امید نہ

---

[۱] مسند احمد صفحہ ۱۴۴ ج ۵ [۲] مسند احمد ج ۵

رکھنی کفر ہے۔ تم محبت کرکے دیکھو! دیکھنا، کہ اتباع کے لئے جوڑ جوڑ بند، ظاہر باطن خود مضطر ہوگا

مدعیانہ دعوی ہے کہ محبت بھی ہے اور قبرپرستی بھی ہے۔ محبوب عین وفات کے وقت فرماتا ہو۔

لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیا ھم مساجد (بخاری) لعنت خدا کی یہود و نصاری پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیں۔

اور تم مرتے دم تک اپنی پیشانیاں قبروں سے الگ کرنا نہیں چاہتے۔ انبیاء تو خیر اولیا کے ساتھ تم یہ کر گذرے۔

بہرکیف یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا بات دور جا پڑی، مجھے لگاوٹ کے تعلقات کو دکھانا ہے حضرت ابوذر کا جو حال تھا وہ تو معلوم ہو چکا!

اب شان محبوبی کے جلوہ فرماؤں کا بھی نظارہ کرو، جانبازوں کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں، کیا کچھ خاطر مدارات تھیں۔ یوں تو واقعات بکثرت ہیں لیکن سب سے نمایاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مرض کا ایک واقعہ ہے حضور صاحب فراش ہیں مرض شدت پذیر ہے عین اسی حال میں حکم ہوتا ہے کہ ابوذر کو بلاؤ۔ لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتہ جمال نبوی، خدا جانے کدھر نکل گیا تھا تھوڑی دیر میں جب واپس ہوئے، اور معلوم ہوا، کہ طلبی ہوئی تھی، ہانپتے کانپتے آستانہ پر پہونچے۔ باریابی ہوئی۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ وہ لیٹے ہوئے تھے ضعف سے اُٹھ نہ سکے۔ میں ان کی طرف جھکا، اس وقت ان کے دونوں ہاتھ بڑھے اور مجھے اپنے صدر منشرح سے چمٹا لیا[ا] پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کا پورا علم تو حضرت ابوذر کو ہوگا۔ تاہم اتنا تو دنیا کو بھی معلوم ہوا، کہ اس کے بعد، ابوذر رضؓ سے پندار خودی آرزو خواہش کی خس و خاشاک جل کر کچھ اس طرح بھسم ہوئے۔ کہ پھر کبھی نہیں اوگے،

مطلع سینہ نبوی سے ابوذر کے پہلو میں وہ درد اترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون و دیوانہ مشہور ہوا ہے۔

صحبت نبویہ کے آثار | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ء اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ (بلکہ وہ بھی جو آپ کے ساتھ نہ تھے، پر آپ کے زمانہ میں تھے) کے باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہمارے سامنے

[ا] مسند احمد بن حنبل الامام ۱۲ ہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تمثیلی بیان سے زیادہ موثر کوئی چیز نہیں، کہ اپنے مکتوبات میں ایک مقام میں رقام فرماتے ہیں۔

"آفتاب جگر آسمان پر ٹھہرا ہوا، جلوہ فروز ہوتا ہے، دھوبی اپنے کپڑے، صاف کرکے اس کی گرم گرم شعاعوں کے سامنے، ان کپڑوں کو پھیلا کر، کھڑا ہو جاتا ہے،

مگر تاثیر کی یہ بوقلمونی، کس درجہ اعجوبہ پرواز ہے، کہ کپڑے آناً فاناً، سفید ہوتے جاتے ہیں اور دھوبی کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت، ایک ہی ہوا میں، اسی نسبت کے ساتھ سیاہ پڑتا جاتا ہے۔"

تم دیکھتے ہو، کہ عرب کے ایک ساحل شہر طیبہ میں ایک نبوی آفتاب چمک رہا ہے، اس کے ارد گرد سیکڑوں دل، ہزاروں روحوں کا اجتماع ہے۔

لیکن وہ جنھیں، لوگ افضل البشر بعد الانبیاء کہتے ہیں، صدیقیت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے، کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیزہ شدت پذیر ہو رہی ہے۔ کوئی ہے، جو اپنے، روح و جسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے، کسی کا سینہ علوم و معارف کے لئے، یوماً فیوماً منشرح ہو رہا ہے۔ اور جہاں ہے، وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں جن کے قدم جہل و تیرہ دورنی کی سیاہ کیچڑوں میں دھنس رہے ہیں گمراہی و شرارت کے لہب و شعلوں میں گھسے جاتے ہیں

تبرك الذي بيده الملك وهو على كل شيء قدير الذي خلق الموت والحيوة ۔	مبارک ہے وہ ذات جسکے ہاتھ میں بادشاہت (عالم) کی ہے اور وہ ہر چیز (خواہ شر ہو یا خیر) پر قادر ہے اسی نے بنایا موت کو (جو ایک شر چیز ہے) اور زندگی کو (جو خیر ہے)

انھیں دلوں میں، ایک دل وہ بھی تھا، جس پر غفاریوں کی، خاندانی، درندگی، کے پردے پڑے ہوئے تھے، اور جس پر لٹیروں کی قساوت، و ہوسناکی کا بادل محیط تھا۔ لیکن ان تہہ ہائے تار کے اندر، ایک وہ صالحہ بھی پنہاں تھا۔ جو اسی مدنی آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آ گیا ہے۔ سراج منیر، (آفتاب درخشاں) کی تیز کرنیں، اس پر بھی پڑ رہی ہیں، ابر ہٹ رہے ہیں

پردہ چاک ہو رہا ہے، حتی کہ جب ان کی بالکل دھجیاں اڑ گئیں، تو میں نے بعد کو، اور مجھ سی صدیوں پہلے، دنیا کی بہترین جماعت نے وحی یوحیٰ کی صداقت مآب آوازوں میں سنا۔

من سرہ ان ینظر الی زھد عیسی بن مریم فلینظر الی ابی ذر۔	جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے، پس وہ ابوذر کو دیکھے،

حتی کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا، تو بنی اسرائیل کے اس نبی میں جو تائید روح القدس کے پرورش یافتہ تھے، اور محمد (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کے ادنیٰ فیض پذیر بندہ کے زہد میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جن کے فطرت میں بطن ام (شکم مادر) سے زہد و تقویٰ، کا تخم موجود تھا، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، کے آبشار صحبت کی بدولت، وہ اوگا، پھلا پھولا۔ اور اخیر میں اتنے برگ و بار لایا، کہ اس کی شادابی، دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقت جامعہ نبویہ[1] کی شاخ مسیحی کا اسے ایک مکمل نمونہ قرار دیا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبت پاک کا یہی اثر تھا، لیکن، اسباب و علل کی تلاش کے بعد، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت بڑا، دخل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوۃ انتخاب، اور طریقہ تعلیم کو بھی تھا، آپ جس شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے، اس کو اسی قسم کی تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ انشاءاللہ، کچھ تھوڑی بہت تفصیل اس کی آئندہ پڑھو گے، تم کو وہیں ان سلف صالح کی اس راہ مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہوگی؛ جو فرماتے آئے، کہ حدیث و قرآن سے، تکمیل روح انسانی کے لئے ضرورت ہی، کہ کسی شیخ طریقت، کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے،

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شان مبارک میں ارشاد فرمایا ہی۔

اوتیت علم الاولین والاخرین	اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم و معارف (متعلقہ تشریع) مجھے دیئے گئے۔

اس لحاظ سے آپ کی ذات تمام انبیاء علیہم السلام کے حقائق کی جامع تھی۔ صحابہ پر ان حقیقتوں میں سے کسی ایک کا پرتو پڑتا تھا اور وہ اسی میں پختہ اور کامل ہو جاتے تھے ۱۲۔

وجہ یہ ہے، کہ گو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، بصورت قرآن، و آثار و حدیث، ہمارے سامنے ہے، لیکن، آج وہ قوت انتخابیہ کہاں ہے، جو جانچ لے، کہ فلاں شخص کے لیے، فلاں تعلیم کی ضرورت ہی۔

حضرات صوفیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہی، اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کرکے، ان کے مناسب ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں۔ لیکن یہ باتیں اس وقت کی تھیں، جب تک کہ ان سلف کے خلف شہوات، و اضاعۃ صلوات، کی طرف مائل نہ ہوئے تھے ورنہ آج، ان دشمنان دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، جو خرقہ، و دلق میں، قبروں، اور فرضی، روحوں کے آگے، مسلمانوں کو جھکا رہے ہیں، ان سے جہنم کے انگاروں کے علاوہ اور کیا مل سکتا ہی؛

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصّلوٰت واتبعوا الشھوٰت	پھر ان کے جانشین آئے، جنھوں نے نمازیں برباد کیں اور خواہشوں کی پیروی کی (مثلاً خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ

صرف ہماری عبادت کرو، مجھی سے مانگو، لیکن اس کی خواہش کہتی ہے کہ قبروں سے بھی مانگو، روحوں کو بھی پوجو، پس وہ اسی کی پیروی کرتے ہیں؛

آہ! کہ ع ابوالقاسم محمد زندہ بودے۔

الا ماشاء اللہ، اور ڈھونڈھنے والوں کو، وہ بھی مل ہی جاتے ہیں؛

طریقۂ تعلیم نبوی

میں استیعاب تو نہیں کرسکتا۔ تاہم مختصر مختصر طور پر، اس کا ایک دھندلا خاکہ پیش کرنے کی گنجایش بھی پاتا ہوں۔

محبت دنیا | مراتب زہد میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہیئے، وہ محبت دنیا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دھن و دولت کی مذمت فرماتے، خود ابوذر رضی فرماتے ہیں کہ میں کعبہ (غالباً یہ مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہی) کی طرف ایک

دن جا رہا تھا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سائے میں جلوس فرما تھے، دور سے مجھے دیکھا، اور جب میں قریب ہوا۔ تو آپ فرمانے لگے۔

ھم الاخسرون ورب الکعبۃ۔	وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی،
ھم الاخسرون ورب الکعبۃ۔	وہی برباد و تباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی،

حضرت ابوذر کو خیال ہوا، کہ شاید، میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی، سانس چڑھ گئی دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا۔

من ھم فداک ابی وامی	وہ کون ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الاکثرون اموالا الامن قال ھکذا وھکذا وقلیل ماھو۔	زیادہ مال و دولت والے، لیکن جس نے اس طرح اور اس طرح دیا، اور وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے دہوبے بنا لئے اور آگے، دائیں، بائیں، کی طرف اشارہ فرمایا۔ یعنی جو خوب لے، دے، غریبوں کے کام چلائے۔

شام کا وقت ہے، مدینہ کی صحرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ بغرض سیر تفریح تشریف لے جاتے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں۔ سامنے، احد کا پہاڑ نظر آیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا "ابوذر!"

حضرت ابوذر۔ لبیک یارسول اللہ۔

آپ نے فرمایا۔

"اے ابوذر"، اگر اس احد کے برابر بھی ہمارے پاس سونا ہو، تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جائے۔

لیکن صرف اس قدر حصہ جو قرضداروں کے لئے میں رکھ چھوڑوں، میں سب کو ادہر ادہر اللہ کے بندوں پر تقسیم کردوں"، اور پھر اسی طرح دہوبے بنا بنا کر آپ دائیں بائیں، اشارہ فرمانے

گئے :

حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ ہم پھر آگے چلے، آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا،

"ابوذر! وہی بے دولت ہیں، جو دولت والے ہیں مگر صرف وہ جو ادھر دے، اُدھر دے[1]

حضرت ابوذر حضور کے ساتھ ہیں، آپ نے فرمایا "اے ابوذر! تین آدمی ایسے ہیں، جنھیں خدا پیار کرتا ہے، اور تین ہی ایسے ہیں جن سے خدا کو بغض ہے،

پس وہ جنھیں خدا پیار کرتا ہے، ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک فقیر اس قبیلے میں آتا ہے، اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں، بلکہ خدا کا واسطہ دے کر اُن سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں۔ لیکن وہی چپ چاپ اٹھتا ہے، اور چھپا کر، اس کے کچھ اس طرح حوالہ کر دیتا ہے کہ اس کی خیرات کا علم بجز خدا اور لینے اور دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں۔

دوسرا وہ ہے جو کسی قافلہ کے ساتھ رات کو چلتا ہے، حتیٰ کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کسی مقام میں اتر پڑتے ہیں، اور تکیوں پر سر رکھ کر، سو جاتے ہیں، لیکن وہ تھکا ہوا مسافر، اکیلا، خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی خوشامدیں کرتا ہے، اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے۔

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے، دشمنوں سے سپاہیوں کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے اس وقت وہ سینہ تانے آگے بڑھتا ہے۔ پھر یا قتل ہو جاتا ہے، یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے، وہ بڈھا زانی، اور قلاش بانکا، اور ظالم دولتمند ہے۔[2]

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

"جو لوگ آج اونٹوں، بکریوں، گایوں کے مالک ہیں اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے

---

[1] مسند احمد ج ۵

[2] مسند احمد ج ۵

دن، ان کے یہ ڈنگر بہت بڑے، اور موٹے ہو کر آئیں گے؛ اور جب تک اعمال کا فیصلہ نہ ہوگا۔ کوئی اپنے مالک کو سینگوں سے مارے گا، کوئی اپنے قدموں سے کچلے گا، ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی، اور وہی درگت بنائے گی۔[۱]

حضرت ابوذر یہ حدیث تو آخر عمر میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔

کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد کیا، کہ جس نے سونا، چاندی، پر گرہ لگائی، وہ ان کے مالک پر انگارے ہیں[۲]

اور نہ صرف یہ حدیث نہیں، بلکہ ایسی سیکڑوں۔ اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتب احادیث میں موجود ہیں، جن میں حضرت ابوذر کی تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ پتہ چلتا ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔

"ابوذر! مسجد میں، جو سب سے زیادہ بلند رتبہ کا آدمی ہو دیکھو وہ کون ہے"

حضرت ابوذر کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت قیمتی جوڑا تھا۔ دیکھا، اور اشارہ کیا، "کہ حضور وہ ہے"، آپ نے فرمایا، "اچھا اب دیکھو! ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے"، حضرت ابوذر کہتے ہیں۔ کہ میں نے ایک مسکین کی طرف، جو نہایت پھٹے پرانے لتے میں لپٹا ہوا تھا۔ اشارہ کیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا۔

"خدا کی قسم، قیامت کے دن اسکا (یعنی پھٹے پرانے کپڑوں والے کا) وزن نیکی، اور بھلائی میں ایسوں سے (یعنی اچھے قیمتی حلہ والوں سے) تمام زمین کے وزن کے برابر زیادہ ہوگا"[۳]

۱۔ مسند احمد اس حدیث میں یہ بات قابل لحاظ ہے، کہ ڈنگروں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے، جب کہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں یا ان کا اکثر زمانہ چرائی میں بسر ہوتا ہو، ورنہ گھر پر کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ۱۲

۲۔ اس حدیث کے متعلق حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص قصہ اور فتوے ہے، ناظرین اس کو یاد رکھیں، تمام تمہید اسی کے لئے ہے ۱۲

۳۔ مسند احمد ۱۲

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک دن، معاش سے تنگ آکر، سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور درخواست کی، کہ حضور مجھے، کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمائیں، آپ نے صلوات اللہ علیہ وسلامہ سنتے ہی فرمایا۔

یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال الیتیم[۱]	ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی یہ کام تمھاری فطرت کے مناسب نہیں) اور میں تمھارے لئے اسی بات کو پسند کرتا ہوں، جو مجھے اپنے لئے پسند ہی، ہرگز ہرگز تم دو آدمی کے بھی امیر نہ بننا، اور نہ کسی یتیم کے مال کے متولی ہونا

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں حضور کی خدمت میں رات کو حاضر ہوا تھا اور صبح تک اصرار کرتا رہا۔ لیکن آپ نے کسی طرح منظور نہیں فرمایا۔[۲]

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضروری ہی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر خود مامور فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوذر رضہ کے لئے اسے کیوں ناپسند فرمایا۔

حب مال جو حب دنیا کی، نہایت خاردار شاخ ہی، اس کی نشوونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی، چیز، رئیس اور دوسروں کی دنیاوی ترقیاں ہیں انسان پر کبھی ہستی، ناپائدار، کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہی، اور چند دنوں کے لئے اکثر سلیم الفطرتوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے، اگر جہاں مالداروں، اور اپنے سی زیادہ دولتمندوں پر نظر پہونچی، ان کے اونچے، مکان، عمدہ لباس، لذیذ کھانے، خوبصورت، پر شوکت سواریاں سامنے گذریں، بس اسی وقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہی، اور اسی کے بعد، زہد و عزلت کے تمام جذبات کو کھو بیٹھتا ہی، روحانی خیالات مغلوب ہو جاتے ہیں، اور دنیا کی ہوس، دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہی۔

[۱] طبقات ابن سعد ج ۴ صفحہ ۱۱۱ ۱۲ [۲] مسند احمد ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بھی علاج بتا دیا تھا اور وہ اخیر عمر تک اسی پر عامل رہے، خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔

"میرے خلیل (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا کہ:

(۱) مسکینوں سے محبت کروں، اور ان سے ملتا جلتا رہوں،

(۲) اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں، اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالوں، یہ دراصل اس مرض کا بہترین علاج ہے، فرض کرو، کہ ایک آدمی ہے جسے ململ کا کرتہ اور لٹھے کا پاجامہ پہننے کو، گیہوں کی روٹی، اور گائے کا گوشت کھانے کو، ایک صاف ستھرا مٹی کا مکان رہنے کو ملتا ہے، اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑھے کا کپڑا، اور جو کی روٹی اور پھونس کے جھونپڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے نظر کرے گا۔ تو اپنی حالت پر شکر کرے گا، اور خواہ مخواہ، ان فضول مصائب میں مبتلا نہ ہوگا، جو اسے اپنے سے زیادہ مالدار، زیادہ قیمتی لباس، عمدہ کھانا کھانے والے پر، نظر کرنے کے بعد، جھیلنے پڑتے، دنیاوی طمانیت، اور اخروی، فوائد، کی یہ بہترین تدبیر ہے، لیکن ہم میں کتنے ہیں۔ جو آج اس پر عامل ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں، اگر اس اصول پر انسان عمل کرے، تو شاید اسے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچ سکتی، دنیا میں اور نہ آخرت میں،

حب مال کے بعد حب دنیا کا دوسرا جز، جاہ وعزت کی محبت ہے، یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک، اور نظام عالم کے فساد کا باعث ہے، دنیا میں بندگان دولت سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے، وہ اُن سے بہت ہی کم ہیں۔ جو جاہ پرستوں کی دیوانگیوں سے ظہور میں آئے،

اس مرض کا اصلی سبب، صرف یہ ہے، کہ انسان اپنے اندر، جب کسی کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنیوالی، کی قوت و قدرت، کو بھول جاتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ اب میں بھی کچھ ہوں، اور اسی کے بعد، کوشش کرتا ہے، کہ جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا ہے کوشش کرنی چاہیئے ہمارے گرد و پیش والوں کو بھی، میرے وجود با کمال کی اطلاع ہو، پھر اسکے لئے جو کچھ تدبیریں

اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں۔ کم دیکھا گیا ہے، کہ حرص و ہوا کا ادنیٰ غلام اس کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا رکھتا ہو، منافقت، کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے، اور حلال و حرام طریقوں سے، اپنے وجود کی خبر، دنیا کے کانوں تک پہونچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے،

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا یا ہو چکا تھا۔ وہ زہد، اور تقویٰ کا کمال تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں اس پر عجب و خود بینی نہ پیدا ہو، جس کے بعد، جاہ و عزت کا سیلاب خود بخود، دنیا و آخرت کے چمن کو بہا کر لے جاتا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس کو بھی انسداد فرما دیا۔ اور صاف لفظوں میں حضرت ابوذر کو مخاطب کر کے آپ نے ایک دن فرمایا،،

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے میرے بندو تم سب کے سب، گنہگار ہو، لیکن جسے میں محفوظ رکھوں، پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو، میں تمھیں بخشوں گا۔ جو مجھے صاحب قدرت جانتا ہے، یعنی جانتا ہے کہ گناہوں کو خدا مٹا سکتا ہے، (اور مٹاتا ہے) اور اس نے میری قدرت کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی، میں نے اس کے گناہ معاف کئے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں،،

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب، گمراہ ہو، لیکن صرف وہ جسے میں راستہ بتا دوں، تو تم ہم سے ہی، ہدایت کی التجا کرو،

تم سب کے سب محتاج و فقیر ہو، لیکن صرف وہ جسے میں غنی کر دوں، تم مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو، " اور یاد رکھو، اگر تمھارے مردے، اور زندے، اگلے، پچھلے، بُرے بھلے، خشک و تر، سب کے سب میرے کسی بندے کے انتہائی پرہیزگار، دل پر جمع ہو جائیں، تو ان سب سے میرے ملک میں، مچھر کے پر کی برابر بھی کوئی، اضافہ نہیں ہوگا،

اور اگر تمھارے زندے، مردے، اگلے، پچھلے، بُرے بھلے، جمع ہوں، اور ہر ایک اپنی اپنی تمام اُمیدوں کا مجھ سے سوال کرے، اور میں سب کے سوال پورے کردوں، تو اس سے بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں ہوگی، لیکن صرف اس قدر، کہ ایک شخص، کسی دریا میں اپنی سوئی ڈبوتا ہے، اور نکال لیتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ میں ہی، بخششوں والا بزرگ، برتر اور تمام مقاصد پر غالب ہوں، کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں،

میرا دینا بھی صرف میرا کلام ہے، اور میرا عذاب بھی صرف میرا کلام ہی، میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں، اس سے کہتا ہوں، کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے،،

یزدانی جلال وجبروت کا جو نظارہ، تم اس کلام میں کرتے ہو کیا اس کی صداقت پر یقین کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب، وکمالات پر بھی کوئی ناز کرسکتا ہی، کیا اس کے بعد ایک سکنڈ کے لئے غرور گھمنڈ کی چنگاریاں کسی دل میں چمک سکتی ہیں۔ اور کیا اس کے بعد، پھر بھی، کوئی مومن باللہ، جاہ وعزت بقار ونمود، کے لئے، کرہ ارض پر کوئی فتنہ اُٹھا سکتا ہے، آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطاوار ہے، تو تقوی، وطھارت، پر کون دیوانہ مغرور ہوسکتا ہے، حتی کہ اس کی شہرت وصیت کی جد وجہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دول، کی تمام ترثروتیں، صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں ہیں، تو کیسہ ہائے زر، پر سینہ تانے والا، اگر احمق نہیں تو اور کیا ہے، اگر یہ صحیح ہے، کہ ہمارے تمام اکابر، اسافل، بڑے اور چھوٹے، مل کر بھی خدا کی بارگاہ جلال میں، پرپشہ کی برابر اضافہ نہیں کرسکتے، تو پھر انسان مشتے از خاک انسان، کس پر اکڑتا ہے،

اس کی شان بے نیازی کا جب یہ حال ہے، کہ وہ ہدایت ورشد کے باب میں بھی صرف توفیق، اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے۔ تو ایک واعظ، د مصلح، کس بنار پر اپنے مساعی کو، قابل قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

آہ! کہ جب سب کچھ اسی کا ہے، اور ہم محض محتاج و فقیر ہیں تو پھر یہ خود بینی کیسی، یہ زعم و پندار، کیوں؟ -

یہی وہ حکم و مواعظ تھے، جس نے اخیر میں روح ابوذری پر زہد عیسوی کا نقشہ کھینچ دیا -

بہرکیف یہ سب کچھ تھا، اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اطہر، وقلب مزکی، سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زاہدانہ فطرت کو ابھارتے رہتے تھے،

لیکن آپ کی تمام تعلیم و ارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر اس حصہ پر ڈالنی چاہیئے - جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ، تمام ادیان و ملل سے علیحدہ نظر آتا ہے،

تم کو وسوسہ ہوتا ہوگا، کہ اگر، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی، تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی، اور اسے قسیسوں، حباروں کی خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا -

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمھیں متوجہ کرنا چاہتا ہوں - عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ زہد و تقویٰ، اس کا نام ہے، آبادیوں کو چھوڑ کر، پہاڑوں، دریا یا نوں میں نکل جانا چاہیئے اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر، خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہیئے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا -

"راستوں سے ہڈیاں اُٹھانی، یہ بھی نیکی ہے، کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتادینا یہ بھی صدقہ ہے، کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنی یہ بھی صدقہ ہے، اور تیرا اپنی بیوی کی ساتھ ہم بستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے[1]"

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے (تعجب سے) پوچھا، کہ حضور! کیا بیوی کے ساتھ ہم خلوۃ ہونے میں صدقہ ہے؟ حالانکہ اس میں، تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے، کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا، اور اجر بھی پائے گا؟

[1] مسند احمد ج۵ +

سیدالانبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ، اگر تم اس خواہش کو کسی حرام میں لگاتے تو کیا یہ گناہ نہیں۔ حضرت ابوذر نے کہا یقیناً گناہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو تم لوگ، گناہوں کا تو خیال کرتے ہو، لیکن نیکیوں کا نہیں۔ عموماً زاہدانہ زندگی گذارنے والے، کسب و حرفت، کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور پھر جب انہیں، دنیاوی ضروریات ستاتی ہیں تو حالاً یا قالاً۔ بھیک مانگنے پر، آمادہ ہوجاتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، اور فرمایا، کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کروگے، کہ اس کے بعد تمہارے لئے صرف جنت ہے"

حضرت ابوذر نے کہا! جی ہاں۔ اور میں نے ہاتھ پھیلادیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں، کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگوگے، حضرت ابوذر نے کہا "بہت بہتر" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں، جو تمہارے گھوڑے سے گر پڑے، بلکہ تم اُترو، اور خود اُٹھاؤ"[ا؎]

ہمارے زمانہ میں، فقراء و درویش نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا ہے، کہ ہر وقت مُنہ چڑھا ہوا ہے، کسی نے کوئی بات بھی پوچھی، تو اُس کا جواب پیشانی پر بل دیتے ہوئے، دیا جاتا ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں، کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی، کو حقیر نہ سمجھو، اگر تمہارے پاس کسی مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے، تو اپنے بھائی کے ساتھ بجندہ پیشانی ملو"[۲؎]

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں، کہ بعض لوگوں پر، زہد، کا اتنا غلبہ ہوتا ہے، کہ یکایک اپنے گھر سے غائب ہوجاتے ہیں۔ اور بیوی، بال بچے، اقرباء کی خبرگیری کا بالکل خیال نہیں کرتے، حالانکہ یہ حرکت اس مقصد کے بالکل خلاف ہے جس کے لئے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ انسان دنیا میں

ا؎ مسند احمد ج ۵ ص ۔ ۲؎ مسند احمد ج ۵

چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستر سے شاذ زیادہ نہیں، محض آزمائش کے لئے اوتارا گیا ہے، اور اصلی آزمایش یہی ہے، کہ تمام فتنوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا، حضرت ابوذر فرماتے ہیں،

"مجھے میرے محبوب نے وصیت کی، کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہوں، اگرچہ، اسے پورے طور پر، انجام نہ دے سکوں[۵۱]، (کہ یہ بہت مشکل ہے بہرکیف جس قدر بضاعت ہو، اسی میں سب کے ساتھ سلوک کرتا رہے")

جذب و مستی اور اُس کی حقیقت | تعلیم و تزکیہ کا یہی زرّیں سلسلہ تھا، جو روز بروز حضرت ابوذر کے اصل جوہر چمکا رہا تھا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر لحظہ، ہر وقت، حضرت ابوذر کی حرکت و سکون پر نظر رکھتے تھے، اور ادھر حضرت ابوذر کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً اُن کی روح اسے جذب کر لیتی اور اس طرح سختی کے ساتھ اسے قبول کرتی، کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے، لیکن یہ بالکل ناممکن ہو جاتا تھا۔ کہ جو رنگ ان پر چڑھایا گیا تھا، وہ زائل تو کیا میلا بھی ہو سکتا۔

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے، ایک دن غصہ میں آکر ایک صحابی (حضرت بلال[۵۲] رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو بوجہ ان کے غلام ہونے کے۔

یا ابن الامۃ | او لونڈی بچے

کہدیا۔ حضرت بلال تو سیدھے دربار نبوت میں پہنچے اور شکایت کی کہ ابوذر نے مجھے گالی دی، ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً بلوایا اور نہایت سختی کے ساتھ ڈانٹا۔ فرمایا

انک[۵۳] امرءٌ فیکَ جاھلیۃ ۔ | تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کی باتیں پائی جاتی ہیں

پھر فرمایا۔

ماذھبت اعرابیتک بعد[۵۴] | تمہارا گنوارپن اب تک زائل نہیں ہوا ہے۔

[۵۱] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۲ [۵۲] روح المعانی جلد ۵ - ۱۲ [۵۳] مسند احمد ۱۲ [۵۴] طبقات ابن سعد ۱۲

اس زجر و توبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا کہ

"ابوذر! تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو محض اس کے غلام ہونیکے سبب سے ذلیل نہ سمجھو جس طرح اپنے بھائی کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تمھارے سپرد کردیا ہے، چاہیئے کہ انہیں ایسے کھانے کھلاؤ، جو خود کھاتے ہو، اور ویسے ہی کپڑے انھیں پہناؤ، جیسے تم پہنتے ہو،

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو، کہ وہ مغلوب و عاجز آجائیں، اور اگر کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انھیں دو بھی تو ان کا ہاتھ بٹاؤ[۱]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابوذر کے کان میں ان لفظوں کو ڈالدیا لیکن اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی برقی تاثیروں کو اس طرح دیکھا اور بار بار دیکھا کہ حضرت ابوذر گھر سے باہر نکلتے ہیں غلام بھی ساتھ ہی جو کپڑا اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں ٹھیک اسی قسم کا پیراہن غلام کے دوش پر پڑا ہوا ہے۔ لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپنے جو چادر غلام کو دیدی ہے اگر اسے بھی، آپ ہی اوڑھتے، تو شان و شوکت کے علاوہ لباس بھی مکمل ہو جاتا۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و دماغ میں گذشتہ الفاظ نبویہ اس طرح پیوست ہو گئے تھے، کہ بیساختہ آپ کی زبان سے جواب میں یہ الفاظ نکل جاتے،

اجل! ولکن سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون۔

ہاں (سچ کہتے ہو) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے، کھلاؤ اپنے غلاموں کو اُس کھانے میں سے جسے تم خود کھاتے ہو، اور پہناؤ اُن کو اُسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو،

پس یہی سخت گیری اور محکم پذیری تھی۔ جس نے ابوذر کو مجبور و معذور کردیا تھا شیراز کے نغمہ سنج نے اسی کی ترجمانی کی

؎ ایں خرقۂ می آلود حافظ بخود نہ پوشید اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تاثیر و تاثر، فاعل و قابل میں جہاں کہیں بھی ایسا مضبوط و مستحکم رشتہ قائم ہوا، تسلیم و رضا جب کبھی بھی اس

[۱] مسند احمد ج۵ ص۱۵۸ طبقات ۱۲ +

شکل میں رونما ہوئی جو فرمانِ رسالت اور جانِ ابوذر کے درمیان تھی، تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تسلیم تسلیم نہیں رہتی۔ اطاعت و فرماں برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ رضا، اضطرار و مجبوری کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد، جذب و وجد و ارفتگی و مستی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر برہم زن ایوانِ صبر و قرار، عقل و ہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو جنون و دیوانگی سے تعبیر کیا ہے۔ اور مذہب و تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب و بہالیل کا خطاب دیا گیا ہے۔

مجذوبوں کی اصل اور اُن کا سرچشمہ

پس اگرچہ ہم قطعاً نہیں کہہ سکتے، تاہم واقعات کی راہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں۔ اسی طرح طائفہ مجاذیب و بہالیل جو فقرا کی مشہور جماعت ہے، اس کے سنگِ بنیاد، خشتِ اوّل قرن صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔

حالات موجود ہیں۔ اس کی کھلی نشانیاں تم اس میں ڈھونڈ سکتے ہو، اور نہ صرف اس قدر، بلکہ مجذوبوں کی اصل حقیقت پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے۔ جس پر زمانہ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

آپ کی مجذوبانہ وضع

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے طبقاتِ ابن سعد، مسند احمد و نیز دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بال پریشان رہتے تھے۔ ڈاڑھی بالکل اُلجھی ہوئی رہتی تھی۔ خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے ہیں کوئی آدمی جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو پکڑ لیتا۔ نہلا دھلا کر، کپڑے بدل دیتا بال جھاڑ دیتا۔

قبیلہ بنی ثعلبہ کا ایک شخص آپ کی ہیئت کے متعلق راوی ہے۔

مرّبنا شیخ اشعث ابیض الراس واللحیة فقالوا ھذا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ایک بوڑھا آدمی ہمارے سامنے سے گذرا جس کے بال اُلجھے ہوئے پریشان تھے باوجودیکہ سر اور داڑھی دونوں سفید ہو چکے تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

فاستأذناه ان نغسل راسه فاذن لنا واستأنس بنا۔[2]

صحابی ہیں ہم نے یہ سنکر آپ سے اجازت مانگی کہ ہم آپ کا سر دھودیں انھوں نے اجازت دی اور ہم سے مانوس ہو گئے

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ ورنہ خیال آتا ہے۔ کہ کوفہ یا بیت المقدس کی مسجد میں ایک واقعہ اسی کے قریب پیش آیا۔

آپ کے حلیہ سے سراغ جذب

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں، وہ اس پر تو متفق ہیں کہ آپ دراز قد گھنے بال والے تھے لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے، طبقات میں ایک جگہ ہے کہ آپ گندم گوں تھے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا[3]

عام محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں دفع کریں لیکن میرے خیال میں تو یہی آتا ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا اگر جو اس درجہ سرمست و وارفتہ ہو اس کا رنگ میل کچیل گرد دھوپ سے اگر سیاہ پڑ جائے تو کیا تعجب ہے۔؟

سڑکوں پر سجدے کرنا

خصوصاً جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں۔ اور عام شاہراہوں پر سجدے کیا کرتے تھے۔ جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ شاگردوں کی حرکت استاذ ہی کی تقلید ہوگی۔ اس لئے نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار، زیادہ مشکل سفر تبوک کا تھا حتی کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں زلت ہوئی جس کے واقعات عام طور سے مشہور ہیں۔ بہر حال اس غزوہ میں حضرت ابوذر بھی شریک تھے۔ عام طور پر چونکہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا صحابہ ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے کوئی آنکھ بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابوذر حسب عادت ایک دن قافلہ والوں سے پیچھے ہو گئے نگاہیں تو بکھری ہوئی تھیں۔ فوراً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ "کہ ابوذر بھاگ گئے بھاگ گئے۔۔۔"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ پر حضرت ابوذر کی وفا شعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی آپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یقین کر لیا تھا، کہ ابوذر کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابوذر کے پاؤں کو پیچھے لوٹا نہیں سکتا۔ لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہ کی ان چہ می گوئیوں کا کیا جواب دیتے

---

[2] طبقات ابن سعد ج ۴ مطبوعہ لیڈن ۱۲ [3] طبقات صفحہ ۱۶۹ ج ۴ - ۱۲ +

صرف اس قدر فرما کر

"چھوڑ دو، اس کو چھوڑ دو، اگر اس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے"

اس قدر فرما کر آپ خاموش ہوگئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو زبانِ مبارک چپ تھی لیکن دل میں حضور کے یہ تمنا موج پذیر تھی کہ کاش! ابوذر ملنے میں جلدی کرتا! اور لوگوں کو جو اسکی جانب سے بدگمانی ہوگئی ہے وہ جلد دور ہو جاتی آخر یہی ہوا کہ یکایک آپ کو ہوش آیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو قافلہ بالکل ندارد ہے۔ نہ صحابۂ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھ لینے کے بعد ابوذر پھر کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انہیں اور احساس ہوا اور دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزوؤں میں ڈوب گیا۔ اونٹ کچھ تو قدرتاً سست تھا۔ پھر مہار کو ڈھیل پا کر بہت زیادہ ڈھیلا ہوگیا تھا۔ آپ نے ایڑ لگائی، کوڑے لگائے، لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے۔ ان کا چھو لینا دشوار ہوگیا۔ اور یہاں بیتابی حد سے زیادہ گذر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے۔ آخر تھک کر آپ اونٹ سے اتر پڑے جو کچھ سامان سر پر لاد سکے لاد لیا۔ اونٹ کو مع پالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاش محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجام کار ہانپتے کانپتے، قافلہ کے قریب آ لگے۔ کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آ رہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا کہ حضرت ابوذر تو اونٹ پر سوار ہیں اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے۔ فوراً غل ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ وہ جنگل میں کوئی اکیلا تنِ تنہا پیادہ پا اس طرح آ رہا ہے۔ غرض کہ ہر شخص "کوئی آ رہا ہے، کوئی آ رہا ہے" کی آواز بلند کر رہا ہے۔

لیکن حضور نے جب دیکھا، تو ارمان بھرے دل سے جو آواز نکلی آہ! کہ وہ یہ تھی

کن ابا ذر کن ابا ذر | ابوذر ہی ہو، ابوذر ہی ہو،

ان لفظوں میں کیا مسیحائی ہے، تم کو کیا معلوم، قتیلانِ ناز سے پوچھو! کہ اس کلمہ ایجاد میں کتنے مٹے ہوؤں کی جانیں پوشیدہ ہیں۔ اللہ اللہ سر باختہ ابوذر کی اس موت کو دیکھ کر، رحم آتا ہے۔ اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ اور جو اس طرح اپنی متاع کھوتا ہے وہ یوں ہی پاتا۔ اور لباس وجود

دوبارہ اُسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ کہ لب تک نہ گیا　　خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا

نہیں ہو سکتا تھا، کہ ادھر سے یہ ایجادانہ، الفاظ نکلیں اور دوسری طرف سے گم ہونیوالا ابوذر پھر پیدا نہ ہو آخر یہی ہوا چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ "ابوذر ہی ہیں، ابوذر ہی ہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا، یہ سنتے ہی آپ حضرت ابوذر کی طرف ایک رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے،

رحمہ اللہ اباذر یمشی وحدہ ویموت وحدہ ویبعث وحدہٗ[۱]	اللہ تعالےٰ ابوذر پر رحم فرما دیں۔ بیچارہ اکیلا چلتا ہے اکیلا ہی مریگا اور اکیلا ہی اُٹھایا جائے گا۔

اولاد سے بے خبری آپ کی اس عزلت وکنارہ کشی کا یہ حال تھا کہ باوجودیکہ آپ صاحبِ اولاد بھی تھے۔ لیکن انداز سے معلوم ہوتا ہے، کہ کبھی اُن کے نام بھول جاتے۔

مجھے اور کسی اولاد کا تو پتہ چلا نہیں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً دو بچے خواہ اناث خواہ ذکور میں سے بحالت طفولیت مر گئے۔ اور ایک لڑکی کا تذکرہ عموماً مورخین کرتے ہیں ایک دن یہی صاحبزادی صاحبہ آپ کے ساتھ جا رہی تھیں۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور یہ آپکی صاحبزادی ہیں۔ تو فرماتے "ہاں اسکی ماں یوں ہی کہتی ہے"[۲]

خود فراموشی کبھی کبھی عجب طرح کی بیخودی طاری ہو جاتی، ایک دن کسی نے پوچھا "کہ ابوذر آپ ہی ہیں" فرمانے لگے "کہ ہاں میرے گھر کے لوگ یہی کہتے ہیں"[۳]

مجذوبانہ لباس آپ کسی خاص لباس کے رہین منت نہ تھے جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا پہن لیتے کبھی کبھی لوگوں نے حلۂ قطریہ[۴] کو آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے۔ جو عرب کے بہترین لباسوں اور جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی نہایت ہی خستہ و شکستہ خرقہ وگودڑ میں پھرتے۔ نہ آپ کو اس کی خوبصورتی اور شان کی کوئی پرواہ تھی۔ اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔

کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمل ہی اوڑھ کر باہر نکلتے ایک دن آپ بدوؤں کا سا کمل ہی اوڑھے ہوئے

[۱] صحاح زاد المعاد ۱۲ [۲] مسند احمد ۱۲ [۳] مسند احمد ۱۲ [۴] مسند احمد ۱۲ +

تشریف لیجا رہے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں" جواب میں فرمایا، "کہ ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے"، اس شخص نے کہا "کل تو دن ہوتے ہیں کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا)"، بولے "دو کہ تھا تو، لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اس کے حوالہ کردیا"

اُس شخص نے کہا "دو کہ ہرگز نہیں آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ (یعنی جس شخص کے پاس بجز گنوار دکمبل کے اور کچھ نہ ہو اس سے زیادہ اور کون محتاج ہوسکتا تھا)"،

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی اس ضد کو دیکھ کر آگ بگولہ ہوگئے اور نہایت کرخت لہجے میں فرمانے لگے "خدا تجھے بخشے تو دنیا کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں۔ (یعنی گو کمبل ہی کی ہے، لیکن ہے تو اور اُس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی) اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے میرے پاس نہیں"

اے شخص! میرے پاس بکریاں ہیں جن کا میں دودھ پیتا ہوں، اور میرے پاس گدھے ہیں جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں! ور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں! ور ہاں عید۔ بقرعید وغیرہ کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ بس تم خود انصاف کرو، کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہوسکتی ہے؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زائد ہے میں ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ نہ ہو"[۵۳]

آپ کی عبادت پر جذب کا اثر	حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ گمان کہ وہ نماز وغیرہ چھوڑ بیٹھے ہوں گے ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنادیتا ہے۔ نماز کی پابندی تو در کنار یہ بھی کوئی ثابت نہیں کرسکتا

کہ انھوں نے وقت سے ٹلا کر کوئی نماز پڑھی ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے "کہ کون سا عمل افضل ہے" تو آپ یہی فرماتے "کہ وقت پر نماز پڑھنی"[۵۱]، اور نہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر امام نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹلا کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو! ور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہو جاؤ، یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔[۵۲]

---

۵۰ طبقات ابن سعد ۹۲۔ ۵۱ مسند احمد ۹۴۔ ۵۲ مسند احمد ۱۲ +

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوذر پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سے کسی وقت کی نماز چھوٹی ہے یا نہیں، ہاں! اس کے خلاف میں البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی موجود نہ تھا۔ تیمم کا مسئلہ آپ کو چونکہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپکی زبان سے یہی لفظ نکلتا ہے۔

ھلکت یا رسول اللہ	میں تباہ ہو گیا یا رسول اللہ۔

آپ نے پوچھا "کیوں، کیوں"؟ بولے کہ "میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی اب کیا کرتا۔ نماز قضا ہوئی اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کیا"

اس کے بعد حضور نے تیمم کی تعلیم دی۔

بہرحال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی اور نہ فرائض میں کسی قسم کی بے اعتدالی آپ سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش سرمستی غلبۂ حال کے وقت بعض ایسی باتیں آپ سے ہو جاتی تھیں جہاں جذب کا رنگ آپ کو تمام صحابہ سے ممتاز کر دیتا تھا۔

زید بن مطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں میں نے جو غور کیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہوا۔ پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا اسی طرح پھر سجدہ میں گیا اور بغیر قعدہ یعنی بیٹھنے کے، پھر کھڑا ہو گیا۔ الغرض وہ صرف رکوع سجدے کر رہا ہے لیکن قعدہ نہیں کرتا، چونکہ ہر دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے۔ اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہیئے۔ یا طاق پر (ورنہ یہ شخص جفت پر بیٹھتا۔)

لوگوں نے کہا "کہ بے چارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے تو تم جا کر سمجھاؤ۔"

زید اُٹھے۔ قریب آئے اور کہا،

"خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں پر سلام پھیرنا چاہیئے۔ اور کہاں بیٹھنا چاہیئے جفت پر یا طاق پر"

اس شخص نے کہا:

"کہ مجھ کو اگر خبر نہیں تو خدا کو خبر ہے، اور میں ان باتوں کو نہیں جانتا میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے تین کام کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ (۲) ایک نیکی لکھ دیتے ہیں۔ (۳) ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں"

مطلب یہ ہے کہ حساب و کتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے پس ہم سجدے کرتے رہتے ہیں۔ رہا گن کر، یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کے حقدار ہو گئے، ہمیں اس کی ضرورت نہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن | کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

زید کو آپ کی اس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی، پوچھنے لگے، کہ آپ ہیں کون صاحب؟

حضرت نے فرمایا۔ ابوذر۔

اس قدر سننا تھا کہ زید کے ہوش اُڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے،

"تم لوگ نہایت بُرے ساتھی ہو مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں[۱]" لوٹ آئے۔

الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذر سے اس قسم کی بے ضابطگیاں ضرور ثابت ہیں۔ اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں تاہم حضرت ابوذر کا جو حال تھا، اُس کو پیش نظر رکھنے کے بعد شرعاً بھی اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اور اگر آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذر کا تھا۔ اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو ان پر نکیر نہیں کرنا چاہیئے۔

ہاں قصداً ہوش و حواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ایسا کرے گا خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو۔ تو یہ یقیناً ناجائز ہے۔ کہ دین کے ساتھ تلاعب و لہو کے مرادف ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابوذر کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے

---

[۱] مسند احمد ۱۲ +

دیکھنے والے غور کریں۔ کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں۔

اور اسی لئے میں اپنے دعوے کو زیادہ موثق و وزن دار بنانے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں۔ اس سے آپ کی علمی وسعت و تبحر کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت	کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا، کہ آپ حضرت ابوذر کو کیسا خیال فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

وعی علما عجز فیہ | انھوں نے ایک علم کو محفوظ کیا جس میں وہ عاجز ہو گئے۔

عموماً علمائے حدیث اس جملے کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

ابن سعد نے نقل کیا ہے، کہ بعضوں کا خیال ہے۔ "کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اُس کو ظاہر نہ کر سکے"

بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے۔ "کہ جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اُسے حاصل نہ کر سکے"

واللہ اعلم امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے،

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے، اور انشاء اللہ واقعیت سے وہ بہت زیادہ قریب ہے، تفصیل اس کی یہ ہے، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سیکھتے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے، عموماً وہ ایسے علوم ہوتے تھے جن کو براہِ راست عمل سے تعلق تھا۔ کیونکہ اعتقادیات کے باب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال و ایمان بالغیب کے مضبوط و محفوظ اصول کو پیش نظر رکھا۔ جو کچھ بھی تفصیل کی وہ محض عملیات کی کی۔

حضرت ابوذر میں قبول و اثر پذیری کا مادہ جتنا تیز تھا۔ وہ تم پڑھ چکے، اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ بلا کسی چون وچرا کے جس طرح آپ سے سنتے، کوشش کرتے کہ اسی طرح ہم اسے ادا بھی کریں وہ چاہتے تھے کہ میرا عملی نقشہ علمی نقشہ پر پورے طور سے منطبق ہو جائے۔

۱؎ حتی کہ شیخ ابو عمرو بن عبد البر کو جب عجز فیہ کی کوئی صحیح توجیہ معلوم ہو سکی تو انھوں نے استیعاب میں عجز فیہ کے لفظ کو عجز عنہ سے بدل دیا۔ اور روایت بالمعنی میں یہ کمزوریاں عام طور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ ۱۲۔ استیعاب ج ۲ مطبوعہ حیدر آباد +

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی اگر اس معاملہ میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل پروا نہ ہوتی تھی۔ واعظانہ مشورے ناصحانہ پند و تذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکز ثقل سے ہلا نہ سکی۔ حتیٰ کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے۔ اور بجا کرتے۔ فرماتے کہ :-

"لوگو! میں قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب سے زیادہ قریب ہونگا۔ کیونکہ میں نے سُنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا، جو دنیا سے اُسی حال میں رخصت ہو جس حال میں میں اُسے چھوڑ کر جاؤں! اور قسم خدا کی، اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا، جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو۔ اور اُس کے ساتھ کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو، بجز میرے[۱]"

اور یہ دعویٰ ان کا صرف ذاتی نہ تھا، بلکہ سید العالم رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی، طبقات میں ہے۔ کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو مجھ سے اُسی طرح آکر ملیگا۔ جیسا میں اُسے چھوڑ جاؤں گا، حضرت ابوذر نے فرمایا: کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان نے اس کے جواب میں فرمایا :-

صدقت	سچ کہتے ہو (یعنی تم اُسی حال میں ملوگے جس حال میں تمہیں چھوڑ دونگا)

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے :-

اب دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعن و تشنیع سے نہ ڈرتا ہو۔ سوائے ابوذر کے،،

اور آخیر میں خود اپنی چھاتی پیٹتے اور فرماتے :-

"حتیٰ کہ میں بھی اپنے نفس کو مستثنیٰ نہیں کرتا[۲]"

الغرض عجز فیہ کا صاف مطلب یہی ہے۔ کہ وہ اپنے علم و معلومات سے مغلوب و عاجز آگئے تھے جو کچھ جانتے تھے اُس کے خلاف کرنے پر گویا قادر نہیں رہتے تھے تعجب ہے کہ امیر کرم اللہ وجہہ تو

عجز فیہ	علم میں عاجز آگئے

[۱] طبقات ابن سعد
مسند احمد ۱۲
[۲] طبقات ۱۲

فرماتے ہیں۔ اور بعض شراح حدیث اسے عجز معنٰی سمجھ کر اپنے خود ساختہ معانی کو اس پر منطبق کرنا چاہتے ہیں۔ اور بعضوں نے تو یہ کیا کہ جب اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انھوں نے نی کے لفظ کو عن سے بدل دیا۔ جس کا میں حاشیہ میں ذکر کر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل صحیح ہے کہ تعمیل ارشادات نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابوذر نے دنیا کے آگے پیش کیا اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم سے بالکل مقہور و مغلوب ہو رہے تھے۔

دنیا کی حقارت، یہاں کے مال و متاع کی فانی حقیقتوں کے متعلق حضرت ابوذر کو جو کچھ کہا گیا تھا، جنھیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کر چکا ہوں اس کا مقتضی تھا کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گذار دیتے نہ شادی کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے، نہ اور کچھ سامان کرتے۔

لیکن میں لکھ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو۔ ٹھیک ع درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق۔ کا گویا نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں پلوں کو مساوی طور پر قائم رکھ کر دنیا میں رہنا حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گذار راستہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی گذر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر احد کا پہاڑ سونا ہو جائے تو اس کی وقعت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن میں سب کو لٹا دوں الحدیث جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا دی جاہ و منال کی طرف مطلق توجہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اسی کے مقابلہ میں حضرت ابوذر ہی کے سامنے آپ عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمھارے پاس بیوی بھی ہے؟ عکاف نے کہا جی نہیں۔

آپ نے فرمایا اچھا اگر بیوی نہیں، تو کوئی کنیز و لونڈی بھی ہے؟ عکاف نے کہا کہ وہ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم فارغ البال صاحب فراخی نہیں ہو؟ عکاف نے کہا کہ جی میں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں۔ (یعنی مالدار ہوں)

آپ نے فرمایا کہ اب تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو، اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کیے جاتے نکاح میرے طریقہ میں داخل ہے۔ تم میں سب سے زیادہ بدوہ لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں۔ سب سے

ذلیل ترین کمینہ وہ مرد ہے، جو حالت تجرد میں زندگی گذار کر مر جاتے ہیں"
کیا تم لوگ شیطان کے تختۂ مشق بننا چاہتے ہو، شیطان کا وہ ہتھیار جو اچھے لوگوں میں آسانی اتر جاتا
ہے صرف عورت ہی۔ ہاں جنھوں نے شادیاں کیں وہ لوگ پاک دل والے ہیں، سیاہ اعمال سے دور اور کنارہ کش
عکاف تجھ پر افسوس ہی ایسی عورتیں تھیں جنھوں نے ایوبؑ، یوسفؑ، داؤدؑ، کرسف کیساتھ کیا کیا[۱]
بشر بن عطیہ بھی وہیں بیٹھے ہوئے تھے، انھوں پوچھا کہ حضور یہ کرسف کون شخص ہے آپ نے فرمایا، کہ کسی
گذشتہ زمانہ میں اس نام کا ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف
رہا وہ دن بھر روزے رکھتا تھا، اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔
آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو چھوڑ کر اُسی کے پیچھے دیوانہ
ہو گیا۔ بہرحال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کیطرف پھر متوجہ ہوا خداوند تعالیٰ اس کے قصور سے درگذرے
اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ ہوئے، اور سمجھانا شروع کیا،
"کہ عکاف! تجھ پر افسوس! نکاح کر اور نہ ہمیشہ تو مذبذب رہے گا یعنی طمانیت و سکینت
تجھے حاصل نہیں ہو سکتی"
عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضور تو آپ ہی میرا عقد جس سے چاہیں کر دیں۔ آپ نے فرمایا
کہ کریمہ بنت کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کر دیا[۲]"
اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہو جاتا ہے اسے کون نہیں سمجھتا۔ اور شادی کے بعد
دنیاوی الجھنوں کا جو طوفان اُمنڈتا ہے آج اس سے کون واقف نہیں۔
مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، ان نبوی علوم نے اس طرح عاجز و لاچار بنا دیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا
اور وہ بھی کیا۔ غایت احتیاط کے ساتھ نباہ کر ایک عجیب و غریب قوت عملیہ کا ثبوت دیا۔
آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ | مثلاً تم پڑھ چکے کہ آپ میں مجذوبیت بھی تھی، وارفتگی بھی تھی، استغراق بھی تھا، سب کچھ تھا

[۱] یعنی عورتوں کیوجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑا جس کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے۔ یہ مطلب نہیں
کہ یہ انبیائے معصومین کسی حرام فعل کے العیاذ باللہ مرتکب ہوئے ۱۲ [۲] مسند احمد ۱۲

مگر باوجود ان تمام باتوں کے، آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے۔ کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپ کی بیوی ہمراہ ہوتیں۔ اور اس میں آپ محض مجبور ولاچار تھے۔ آخر عکاف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ ابوذر کے دل و دماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا جس قسم کی تسلیمی جذبات حضرت ابوذر کے سینے میں موجزن تھے، حق تو یہ ہے، ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

الغرض ان وجوہات سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کے برتاؤ کس قسم کے تھے، قاعدہ ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ مخواہ فطرتاً انسان کے مردہ احساسات زندہ ہو جاتے ہیں۔ کسی قسم کا آدمی ہو لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے۔ عمدہ زیوروں سے اسے آراستہ کرکے اپنی آنکھیں سینکے، عطر و پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ و بدن کو معطر رکھے۔

الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اولاً تو خود ہی دماغ میں اُبھرتے ہیں پھر بیوی صاحبہ کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور بھی نیم پر چڑھ جاتا ہے۔ اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور آہ کہ جس فعل کو وہ کبھی کرنا نہیں چاہتا تھا، اس کے کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کر گذرتا ہے۔ ایک کاری سحر، چلتا ہوا جادو ہے۔ جس کے بعد کم رد ہیں نسوانی منتروں کے ہوش رُبا تاثیروں سے نجات پا سکی ہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عاجزی کو دیکھو! اندازہ کرو، کہ نبوی احکام و تعلیموں نے ان کو اپنا کس قدر مقہور کر لیا ہے کہ نکاح بھی کرتے ہیں اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمائش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں۔

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو، مجھ سے کہتی ہے، کہ عراق جاؤ، اور جب میں وہاں جاؤں گا، تو مسلمان میری طرف روپے پیسے لیکر جھکیں گے، لیکن ہم کیا کریں، ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پُل صراط کے قریب ایک راستہ ہے جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اس پر میں ہلکا پھلکا چلوں یہی ہمارے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ روپے اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا گراں بار ہو کر اسے عبور کروں۔"[1]

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

صرف اس قدر کہ گر آپ ان کی فرمائشوں کو ٹالدیتے، جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقے سے آپکے پاس آتا تھا دی دیدیتے، اس کے بعد نہ اُن کی فرمائشوں کی پروا کرتے، نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے، کہ یہاں نفس باقی کب تھا، وہ تو شادی بھی نہ کرتے، لیکن عکاف کی مجلس داستان نے آپ کو مجبور و معذور کردیا تھا۔

آپ کی بیوی صاحبہ کی حالت یہی وجہ تھی، کہ آپ کو اپنی حرم محترمہ کی زیبائش و آراستگی کا کبھی خیال بھی پیدا نہوا۔ اولاً آپکے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی۔ اس کے بعد اس سے بالکل بحث نہیں ہوتی تھی۔ کہ وہ کیسی ہو کس رنگ کی ہو۔ وغیرہ وغیرہ،

مورخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں تو اُن کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کی جاتی ہے،

تحته امراۃ سحماء حضرت ابوذر کے ساتھ ایک کالی عورت رہتی تھی،

عبداللہ بن خراش کعبی لکھتے ہیں کہ میں نے ایکدن آپ سے کہا بھی، کہ آپنے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے، کہ بھائی جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں، اُسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے لوگوں میں کچھ خاص وقعت ہو۔ کہ یہ وہ شخص ہے جس کی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے اور نہ صرف اس قدر کہ وہ امراۃ سحما تھیں۔ بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کو ان کی زینت زیبائش

ان کی زیب و زینت بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کر لیا تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ابو اسمار رحبی لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا نہ کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے، اور نہ ان کے بدن پر اور کسی قسم کے نشان زینت تھے[1]۔

زیور میں نے بہت کچھ تلاش کیا لیکن غایت جستجو کے بعد طبقات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں[2] اس کے علاوہ اور کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں۔ یا چاندی کی۔ یا کسی اور دھات کی۔

الغرض آپ کی یہی عاجزیاں ہیں جن کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا، اللہ اکبر زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہو۔ مگر بھی نہو کچھ بھی نہ ہو۔ اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام ساز و سامان ہوں،

[1] طبقات ص۱۰ [2] طبقات ابن سعد ۱۲

یہ بھی ہو وہ بھی ہوئے

ابوذر کا کلیجہ تھا کہ ان چٹانوں کو سینے پر رکھا، اور بغیر کسی تشویش کے، دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔

برلبِ کوثر بداغِ تشنگی غومی کنم

کا ایک حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذر کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

آپ کا گھر — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرانوردیوں سے روکا بھی تھا، اور اس دنیا کو ایک گذرگاہ اور راستہ سے تشبیہ دیکر اپنے کو ایک مسافر قرار دیتے تھے۔ فرمایا کرتے، کہ میری مثال دنیا میں اس مسافر کی مانند ہے جو کسی چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر ادھر ادھر پڑ رہتے۔ کبھی مسجد میں۔ کبھی صفہ میں سو جاتے۔ اور اس کے بعد، آپ جہاں کہیں رہے کمل کے خیمہ میں رہے شام کے علاوہ شہر دمشق میں بھی جب تک آپ رہے سخت صوف کے چھولداریوں میں رہے[1] اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی قسم کے خیمہ میں اپنی زندگی گذار دی۔ حتی کہ جس مکان میں آپ نے اپنے آخری سانس پورے کئے اُس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ صوف کے معمولی خیمہ میں حضرت ابوذر کی لاش پڑی ہوئی تھی[2]۔ پس اگرچہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں نہیں گئے، لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنا لیا تھا۔ اور یوں۔ ع۔ این طرفہ تماشا بیں لبِ تشنہ بآب اندر۔ کے خیالی تصور کی واقعی تصویر کھینچ دی تھی۔

روپے پیسے کے متعلق آپ کی تدبیر — میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کہ اے ابوذر! جس سونے یا چاندی پر گرہ لگائی گئی وہ اُس کے مالک کے لئے انگارا ہے" ادھر تو یہ ارشاد فرمایا تھا، دوسری طرف حکم تھا "کہ بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو، اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرو، اور رات کو نمازیں اُس وقت پڑھو جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں" اور ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کے لئے از بس ضروری ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو۔

[1] طبقات صفحہ ۱۸۴ [2] طبری کامل وغیرہ ۱۲

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں فرمانوں میں اس طرح تطبیق دی تھی، کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت بیت المال سے ملتا اُٹھتے اور اپنی لونڈی کو ساتھ لیکر سال بھر کا سامان خرید لیتے۔ اس کے بعد لٹاتے بانٹتے۔ پھر جو کچھ بچ جاتا اُس کے پیسے بھنا لیتے۔ لوگ پوچھتے کہ تمام روپوں کو پیسے بنانے کی کیا ضرورت تھی آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں۔ اور پیسے چونکہ ان دونوں کے نیچے داخل نہیں اس لئے میں پیسے بنا لیتا ہوں تاکہ میں اُن لوگوں میں نہ ہوں جن کے لئے حضور نے دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں

الغرض آپ اپنی معلومات سے محض مغلوب و مقہور رہے تھے۔ جو کچھ سُنا تھا وہ آپ کو مجبور کرکے اس پر عمل پیرا بناتا تھا حقیقت یہ ہے کہ علم کی حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہوں گی۔ امیر کرم اللہ وجہہ نے صحیح فرمایا۔ بلاشبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو مجذوب بہلول بنا دیا تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پھیلائے گئے، غور کرنیکے بعد قول امیر کرم اللہ وجہہ عجز فیہ کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مراد یہی تھی۔

اخیر میں ہم اُن چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفۂ مجاذیب کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور شیوۂ جذب و سرمستی کے ساز و سامان میں شمار کیا جاتا ہے۔

ظرافت اس وقت تک حضرت ابوذر کے جتنے حالات تم پڑھ چکے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی، اور ظرافت کا مادہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہے، کہ گو ظاہراً وہ ہمیشہ ترشرو، چیں بجبیں رہتے ہیں، لیکن اندرونی طور پر ان لوگوں کے دل ہر وقت گدگداتے رہتے ہیں، خصوصاً الٰہی کرشمہ پردازیوں کو دیکھ دیکھ کر بعض دفعہ خوب خوب ہنستے اور قہقہے لگاتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے۔

"کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص پیش ہوگا، فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے

آگے اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے، کہ تم نے فلاں دن یہ کیا۔ فلاں دن یہ کیا وہ بیچارہ اس کا اقرار کرتا جائے گا اور دل میں ڈریگا کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائے گی تو کیا ہوگا۔ فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہو جائینگے تو آواز آئے گی، کہ اس کو ہر ہر گناہ کے بدلے، ایک ایک نیکی دیتے چلے جاؤ، پھر رحیمانہ فرمان سنتے ہی وہ شخص غل مچانے لگے گا، شور کریگا۔ کہ فرشتو! ٹھیرو! ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں ان کو بھی گن لو، میں اس فہرست میں انہیں نہیں دیکھتا،، (یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہئیں)،،

حضرت ابوذر اس لفظ پر آکر ٹھیر جاتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے، تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپ کی داڑھی کھل جاتی تھی، اس کے بعد حضرت ابوذر کس قدر ہنسا کرتے تھے۔ اس کا اندازہ تم خود ہی لگا سکتے ہو۔

دوسری ظرافت نعیم بن قعنب الریاحی کہتے ہیں، کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گھر پر ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں، آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فرمایا۔

"کہ سامنے انکی کچھ جائداد ہے۔ وہیں ہوں گے،،

میں جب اُدھر چلا، تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو اونٹ ہیں جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ انھیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ میں آگے بڑھکر آپ سے ملا۔ اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔ آپ نے مشکیں اوتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا۔ کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ آپ سے ملنے کی مجھے تمنا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی۔ حضرت ابوذر نے فرمایا! یہ دونوں باتیں کیونکر ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ اب مجھے اس کی فکر ہے، کہ میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو اسکی کیا صورت ہے، میرا اسکا کفارہ بھی ہے یا نہیں۔

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ پیدا کرینگے اسوقت ولولہ ہوتا تھا

کہ آپ سے مل ہی لوں۔ پھر کبھی خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں آپ نے مجھے مایوس العلاج قرار دیا تو یہ عمر بھر کا ایک غم میرے ساتھ لگ جائیگا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی۔[1]

حضرت ابوذرؓ نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کفر کے زمانہ میں کی ہے یا اسلام میں، نعیم نے کہا، کہ ایام کفر میں، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو پھر کیا پرواہ ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ کی ہر قسم کے گناہوں کو ڈھا دینے والا ہے)

نعیم سے اسقدر فرما دینے کے بعد آپ اپنی بیوی کیطرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ انکے کھانے کیلئے کچھ کھانا لاؤ۔ بیوی صاحبہ یہ سنتے ہی برس پڑیں (یعنی ایک تو کماتے کھاتے نہیں اور اسپر مہمان نوازی کا شوق۔

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیچارے کے لئے لاؤ لیکن وہ تھیں کہ بگڑ رہی تھیں، حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار کچھ زور دیکر فرمایا کہ لاتی بھی ہو یا نہیں لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔ اسطرح الجھ پڑیں آخر میں آپ نے گویا ہنس کر فرمایا۔ کہ

"اری کس قدر بولوگی، کہیں اس سے آگے تم لوگ تھوڑا ہی نکل سکتی ہو، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی شان میں ارشاد فرما چکے ہیں"

نعیم تو وہیں پر کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارہ میں کیا فرمایا ہے آپ نے فرمایا۔

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر انہیں سیدھی کرنا چاہو گے، تو یہ ٹوٹ جائیگی، اور اگر یوں ہی چھوڑ دوگے، تو کجی باقی رہیگی لیکن کچھ کام بھی چلتا رہیگا۔"

یہ سنکر وہ اندر تشریف لیگئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں، آپ نے نعیم کو کہا کہ تم شروع کیجئے اور اسکا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا کیونکہ میں روزہ دار ہوں"

---

[1] اس قسم کی متضاد کیفیتیں مجذوبوں کی جانب سے عام طور پر دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ دعا و بددعا کی امید و خوف میں ہر شخص ان کی جانب سے یہی دونوں خیال رکھتا ہے۔ ۱۲ منہ

یہ کہکر نماز کی نیت باندھ لی نعیم کہتے ہیں کہ میں کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ نماز میں کسی چیز کا انتظار کر رہے ہیں حتی کہ جب انہوں نے اندازہ کر لیا کہ اب مجھے سیری ہو گئی ہوگی۔ فوراً سلام پھیر کر، بیٹھ گئے، اور ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا۔ مجھے انکی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی، اور بیساختہ زبان پر، انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔

حضرت ابوذر نے جب مجھے اس حال میں دیکھا، تو ہنسنے لگے، اور فرمایا کہ تم کو کیا ہوا، میں نے کہا کہ اگر میں النساس میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال بھی کرتا ہوں، تو کم از کم تم کو تو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا۔

حضرت ابوذر نے فرمایا۔ تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں۔ جب سے تم آئے اور اس وقت تک تمہارے سامنے میں نے کیا جھوٹ بولا۔

میں نے کہا خوب، ابھی آپ نے فرمایا تھا "کہ میں روزہ دار ہوں"۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ ہاں! بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں اور رہونگا، کیونکہ میں اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳-۱۴-۱۵ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے ان تین دنوں میں روزہ رکھا اسنے گویا مہینے بھر کا روزہ رکھا (یعنی ہر روزہ کے بدلہ میں دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں ۳۰ روزوں کا ثواب حاصل ہوگا) پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اسکا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں۔[۱]

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں میں اس وقت اسی پر کفایت کرتا ہوں۔

لوگوں پر مجذوبانہ انداز کیساتھ بگڑنا

اس طائفہ کیساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں مثلاً جو آدمی اُنکے پاس جائیگا تو اسپر پہلے بگڑینگے، اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغلوب الحال ہوئے تو سنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چونکہ جذب کامل تھا، اس لئے ہذیان و خرافات تو آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلتے تھے۔ لیکن بگڑنے جھڑکنے کی عادت آپ میں بھی تھی۔

عوام تو عوام بڑے بڑے جلیل القدر صحابی آپ سے ملنے کیلئے آتے، اُنپر بگڑتے اُنسے بھاگتے، اپنی

[۱] مسند احمد ۱۲

سامنے سے اٹھادینے کی کوشش کرتے، لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ انکی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور آجتک دنیا میں یہ طریقہ مروج ہی، اسلئے کسی کو آپ کی باتیں بُری نہیں معلوم ہوتی تھیں، آپ جسقدر بیزاری ظاہر کرتے صحابہ اسی قدر آپ سے لپٹتے، آپ انہیں نکالتے، لیکن قدر شناسان حقیقت ابوذر اور بھی آپ کے قریب ہوتے۔

ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں کہ آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے، تو حضرت ابوذر رضؓ سے بھی ملنے کیلئے تشریف لائے۔ حضرت ابوذر رضؓ کھڑے ہوئے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضؓ پیچھے سے آکر آپ کی کمر میں لٹک گئے۔

حضرت ابوذر آپ کو دیکھتے ہی، بگڑ گئے، وہ کمر میں لپٹے ہوئے ہیں اور کہتے جاتے ہیں،

مرحبا باخی | میرے بھائی مرحبا

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے۔ کہ

الیک عنی | ہم سے دور رہو

فرما رہے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری ایک دُبلے پتلے آدمی تھے، اور آپ کا بدن بھاری تھا، وہ چمٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابوذر جھٹکے دیدیکر چاہتے ہیں کہ کسیطرح انسے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی

"دور رہو دور، ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے"

آپکی زبان پر جاری ہی، حضرت ابو موسیٰ رضؓ کہتے ہیں، کہ "دور کیوں رہونگا، تم میرے بھائی ہو،،

آپ اس کا جواب دیتے، کہ "نہیں تم اب میرے بھائی نہیں رہے، تم سے برادری اسوقت تک تھی، جبتک کہ تم کسی صوبہ کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے،،

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا۔ اندازے سے معلوم ہوتا ہی کہ اخیر میں پھر راضی ہوگئے۔ آپکی یہ عادت تھی کہ بگڑنے اور خفا ہونیکے بعد پھر نرم پڑ جاتے تھے، کیونکہ اسیطرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے)

جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے، اور اسی طرح گلے میں لٹک گئے، حسب دستور انکو بھی آپ نے

الیک عنی | مجھ سے الگ رہو، دور رہو۔

کہنا شروع کیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرحبا باخی | بھائی مرحبا

فرماتے جاتے تھے اور آپ اُن کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں۔ مگر وہ بھی زبردست تھے کب چھوڑتے آخر میں تھک کر آپ نے پوچھا، کہ تم ان لوگوں (یعنی خلفائے وقت کی) طرف سے کسی صوبے کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے صوبہ داری قبول کی۔ آپ نے پوچھا کہ صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنوائی۔ کوئی بڑی زمینداری بھی حاصل کی۔ اونٹوں اور بکریوں کی ریوڑوں کے تم مالک بھی ہوئے؟۔

حضرت ابوہریرہ نے کہا۔ نہیں میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں حاصل کی۔ یہ سنکر خوش ہو گئے اور پھر خود گلے ملکر فرمانے لگے۔ ہاں! تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو۔[۱]

الغرض عموماً اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز کرتے، اور صحابہ بھی آپ کی نازبرداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہر شخص کو ڈانٹ دیتے، ذراسی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے، نہ کسی سے ڈرتے تھے، اور نہ کسی سے دبتے تھے، سب کو اپنا ہمعصر ہم جماعت سمجھتے تھے،

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا ادب | ہاں! آپ اگر کسی کے تقویٰ زہد علم و معرفت کے آگے جھکتے تھے تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔[۲]

بلکہ میں جب ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں، جو آپ حضرت عمرؓ کی کیا کرتے تھے تو پھر آپ کی مجذوبیت میں مجھے شبہ پڑ جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد وہ بھی جذب ہی کے شئوں میں سے ظاہر ہوتی ہیں

---

[۱] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں ۱۲ [۲] حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ آپکا کیا برتاؤ تھا، مجھے تفصیلی علم اسکا نہ ہوسکا البتہ آغاز اسلام میں حضرت ابوبکرؓ نے آپ پر جو کچھ احسانات کئے تھے اسکا مقتضیٰ یہی معلوم ہوتا ہے کہ انکے سامنے بھی آپکی گردن جھک جاتی ہوگی علاوہ اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کی شان میں جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اُسنے حضرت ابوذر کے دل و دماغ میں جو ماننا پیدا کی ہوگی۔ اُسے تم خود سمجھ سکتے ہو ۱۲ ÷ ۱۲ ÷ ۱۲ ÷ ۱۲ ÷ ۱۲ ÷ ۱۲ ÷

معلوم ہوتا ہی کہ یہ لوگ کبھی طارم اعلیٰ کی سیر میں محو ہوتے ہیں اور کبھی اپنی پشت پا کی بھی انھیں خبر نہیں ہوتی،
مسند احمد میں ایک واقعہ ہی کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گذرا
جسکا نام غضیف بن حارث تھا، اگرچہ وہ صحابی نہ تھے لیکن رشد و صلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں
ایک پاک دل رکھتے تھے، حضرت عمر رض نے ان کو دیکھکر فرمایا۔

غضیف کیا اچھا بندہ ہے۔	نعم العبد غضیف

حضرت ابوذر وہیں کہیں کھڑے ہوئے تھے، جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہولیے
اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایت عاجزی سے فرمانے لگے۔

"بھائی میرے لئے دعا کرو، خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری بخشائش کی درخواست دو
کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے"

غضیف حضرت ابوذر کو اس حال میں دیکھکر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے،

"حضور یہ آپ کیا فرماتے ہیں، آپ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ احق ہیں کہ میرے
لئے استغفار کریں نہ کہ میں"

حضرت ابوذر نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا ہی وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کردیتا ہی،
جو آپ کے دل میں حضرت عمر کی جانب سے موجزن تھے، آپ نے کہا۔

"کہ میں نے عمر بن الخطاب کی زبان سے ابھی سنا ہی کہ انھوں نے فرمایا نعم العبد غضیف (غضیف
بہت اچھا بندہ ہی) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ سچائی اور راستی عمر کی زبان پر
چسپاں کردی گئی ہے۔۔"

مقصد یہ کہ جب تم کو فاروق اعظم نے اچھا کہا ہے تو تم یقیناً اچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی
ہیں یہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ عموماً ارباب تشیع حضرت ابوذر رض کو اصحاب طیبین و طاہرین میں شمار کرتے
لیکن حضرت ابوذر رض جس ذات کو طیب خیال فرماتے ہیں اوسکی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق سمجھتے
ہیں، کسقدر عجب ہے کہ یہ نادان انکی اونچی شان پر منہ آتے اور انکی پاک نیت پر حملے کرتے ہیں، غضیف سے

حضرت ابوذر رضہ نے جس چیز کی درخواست کی، تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیہ کے کسی فرد کے نیچے وہ داخل ہو سکتا ہے؟ - ان کو کس نے مجبور کیا کہ خواہ مخواہ اس سے دعا کیلئے الحاح وزاری کریں۔ فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا۔

سفر دمشق الشام | مدینہ منورہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع ہے۔ حضرت ابوذر رضہ کو سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی۔ کہ

اذا بلغ البناء سلعا فاخل الى الشام (مسند احمد ابویعلی) | جب مدینہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم شام کیطرف کوچ کر جانا۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا، اسکی صحیح علت مجھے معلوم نہیں، مراتب سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا، مرشد و مرید کے علاوہ اسے اور کون جان سکتا ہے۔ تاہم قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اسقدر معمور ہو جاویگی تو اس وقت اسکا تمدن بہت بڑھ جائیگا۔ اور حضرت ابوذر رضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بنانا چاہتے تھے چونکہ اس کیلئے اتنی مدنیت مضر ہوتی ہے۔ اسلئے آپ نے شام کی روانگی کا حکم دیا واللہ اعلم۔

حافظ عمر و بن عبد البرؒ وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ مدینہ کی یہ عمرانی ترقی خلافت فاروقی سے پہلے ہو چکی تھی۔ اس لئے ان لوگوں کا خیال ہے کہ وفات ابوبکر صدیق کے بعد ہی حضرت ابوذر رضہ شام روانہ ہو گئے۔ مگر غضیف کے گذشتہ بالا قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی میں بھی حضرت ابوذر رضہ مدینہ میں موجود تھے۔ کیونکہ زیادہ قرینہ یہی ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے۔ گو یہ کوئی قطعی دلیل نہیں۔ لیکن میرے پاس اسکے علاوہ اور بھی چند قرائن ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ خلافت فاروقی میں بھی حضرت ابوذر رضہ مدینہ منورہ میں رہے۔ یہ ممکن ہے کہ آپ ہی کی زندگی میں شام تشریف لیگئے ہوں۔ بہرحال یہ ایک نرا خشک تاریخی جھگڑا ہے اس لئے میں اسکو اسقدر بیان پر ختم کرتا ہوں۔

اتنا قطعی ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت ابوذر رضہ دمشق میں تھے۔ وہاں کملوں کا ایک معمولی سا جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ جسمیں اپنے اہل و عیال کیساتھ زندگی گذارتے تھے۔[۱]

۱؎ طبقات ابن سعد جز رابع صفحہ ۱۶۷

مسئلہ کنز | جیساکہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذر کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپکو روک نہیں سکتی تھی۔ حتیٰ کہ خود امیر کرم اللہ وجہ فرمایا کرتے،

"کہ اللہ کی باتوں میں ملامت کرنیوالوں کی طعنوں سے نہ ڈرنیوالا صرف ابوذر رہگیا ہے"،

الغرض مشکوٰۃ نبوت سے جو روشنی آپکو عطا کیگئی تھی۔ اس کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرمایا کرتے تھے جب موقع ملتا اور جہاں ملتا اسی فکر و عمل میں مصروف رہتے۔ حتیٰ کہ تم آغاز کتاب میں پڑھ آئے ہو کہ اعلان توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے۔ لیکن آپکو اسکی کوئی پرواہ نہوئی تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب آپ شام تشریف لائے تو یہاں بھی آپنے وعظ و درس کا باب کھولدیا۔ اشاعت سنت میں منہمک ہوگئے، اسی ضمن میں آپنے مسئلہ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی۔ جو لوگ کنز کے مرتکب تھے انکو دہکاتے، ڈراتے، فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلہ نبکران سے لپٹیں گے جب تک کہ اُسے خدا کی راہ میں صرف نکردیں"،

کبھی بیان کرتے کہ کانزین (یعنی سونے چاندی جمع کرنیوالوں کی) کو مژدہ سُنادو، کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں انکی ایک پستان پر رکھی جاویں گی حتیٰ کہ وہ سینہ کو توڑکر، مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی۔ اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری جائینگی۔ حتیٰ کہ وہ دوسرے پستان کی طرف سے توڑکر باھر نکل آئیگی[1] کبھی ارشاد فرماتے۔ مالدارو! غریبوں کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔	جو لوگ سونا چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں بھی خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک دکھ کا مژدہ سنادو۔ اُسدن وہی سونا چاندی آگ میں گرم کئے جائینگے۔ پھر انکی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھے اس سے داغے جائینگے اور کہا جائیگا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدہ کیلئے تمنے اکٹھا کیا تھا پس چکھو اس چیز کو جسے تم لوگ جمع کرتے تھے

الغرض متواتر مسجدوں، بازاروں میں آپکا یہ بیان ہوتا رہا، مورخین کا بیان ہے کہ اس واقعے سے عام

[1] بخاری کتاب الزکوٰۃ ۱۲ [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۲ ج ۵ - ۱۲ منہ

طور پر دمشق میں بر ہمی پھیل گئی۔ غربا امرا کو تنگ کرنے لگے ایک آفت بر پا تھی، طبری میں ہے۔

حتی ولع الفقراء بمثل ذلك واوجبوہ علی الاغنیاء[1] | غربا اس قسم کی باتوں میں دلچسپی لینے لگے اور امیروں پر اسکو واجب کر دیا کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اسی خرچ کر دیں ۸

چونکہ اس مسئلہ نے آئندہ چلکر ایک اہم صورت اختیار کی۔ اس لئے ہم اس میں کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں خصوصًا اسلئے بھی کہ ہمارے نزدیک اسوقت تک کسی نے آپ کے اصل مقصد کو بے نقاب نہیں کیا۔ اور عام طور سے اہل علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہوگئی ہے۔

آپ کے مذہب کی تنقیح

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علما، کی آرا درج کرتے ہیں اخیر میں جو کچھ اپنی رائے ہی اُسے بھی ظاہر کریں گے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (۱) عام طور سے اکثر علما کی یہی رائے ہی کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے، حافظ عمرو بن عبدالبر رح کہتے ہیں۔

وردت آثار کثیرۃ عن ابی ذر تدل علی انہ کان یذھب الی ان کل مال مجموع یفضل علی القوت وسداد العیش فھو کنز یذم فاعلہ وان ایۃ الوعید نزلت فی ذلك | ابو ذر سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ کھانے پینے اور سامان زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع کرنیکو کنز کہتے تھے اور اُسکے مرتکب کی مذمت فرماتے تھے اور قائل تھے کہ وعید کی آئت۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔ طبقات۔ مسند۔ مصنف اس کے علاوہ عمومًا تاریخ و حدیث کی کتابیں ہمارے پاس ہیں ان میں اس بڑے دعوی کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ ابھی گذشتہ آیت و حدیث اور آپکے مواعظ تو تمکو معلوم ہونگے۔ کہ ایسی یہ دعوی کسیطرح ثابت نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہوئی ہی کہ قاضی عیاض حافظ ابن حجر وغیرہ نے آپ کی قول کی تاویل کی ہی

(۲) قاضی عیاض کا خیال ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عام طور پر ہر شخص کے لئے اس کو حکم نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی کل دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپئے وصول کرکے محض اپنی عیش و آرام جاہ و جلال میں صرف کرتے ہیں اور جن لوگوں کے حقوق ہیں ان کو محروم رکھتے ہیں۔

علامہ نووی کو اس توجیہ پر غصہ آگیا ہی۔ اور نہایت سختی کیساتھ فرماتے ہیں کہ ابو ذر تو اپنی زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے پھرتے تھے۔ پھر اس قسم کے ظلم و عیش پسند بادشاہ اس زمانہ میں کب موجود تھے وہ تو خلفائے صدیقین و امرائے عادلین مثل ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عہد تھا۔

(۳) حافظ ابن حجر نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دراصل یہ خیال نہ تھا کہ اپنے مال جمع کرنے میں بھی انسان داغا جائیگا۔ بلکہ آپ کا یہ فتوی ان لوگوں کیلئے تھا، جو دوسروں کا مال لیکر جمع کرتے ہوں، اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو ہاں نہیں میں ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو، بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کا فتوی تھا کہ اگر زکوۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہو تو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں۔

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے چونکہ وہ بجنسہ قاضی عیاض کی تاویل کا ترجمہ ہے اسلئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

ناچیز کی رائے

اگر امام نووی کو قاضی عیاض پر اور قاضی عیاض کو اپنے گذشتہ مؤلفین و مصنفین پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اگر مجھے اعتراض کا نہیں تو کم از کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میں آئندہ لکھوں گا اس میں غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ دیوانہ ہے

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۶ ج ۵۔ ۱۲ [2] فتح الباری ج ۳ صفحہ ۲۱۶ ۱۲ منہ

جو ایسا سمجھتا ہو فلینظر الانسان مما خلق کے بعد اس قسم کی متکبرانہ دعاوی کا حق کس کو حاصل ہے؟
بہر حال میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالے عنہ کے ہدی اور روش طرز و طریقہ روایات، و اقوال سے جو کچھ سمجھا ہے اُسے پیش کئے دیتا ہوں۔

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے تھے کہ خصوصیت کے ساتھ نقدین (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں، علاوہ ان نقدین کے آپ کسی چیز کے جمع کرنے کو نہیں فرماتے تھے، حافظ ابو عمرو بن عبد البرؒ کا یہ کہنا کہ "کل مال مجموع" مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر صادق آتا ہے قابل اصلاح ہے، بلکہ کہنا یہ چاہیئے۔ کہ "کل ذہب وفضۃ"

پھر نقدین کے بارہ میں آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے اگر زیادہ ہو تو خدا کی راہ میں لٹا دو، بلکہ خود آپ کے قول و عمل سے عنقریب معلوم ہوگا کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ:۔

(۱) اگر روپے اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید چیز کی صورت میں بدل دو، تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے، یا روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آئے مثلاً اس سے زمین خرید لی جائے بکریاں مول لے لی جائیں جن کے بچے و دودھ سے فائدہ حاصل ہو۔ گدھے گدھیاں اونٹ وغیرہ لے لئے جائیں تاکہ باربرداری سواری میں اُن سے آرام ملے۔ یا پیسے بنا لئے جائیں جو روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

(۲) اور اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ اُخروی تجارت شروع کرے ایک اٹھنی کی دس اٹھنیاں، قطعاً بناتا چلا جائے، پھر اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا بلکہ خواہ مخواہ اُسے جمع کرتا ہے تو اُس کے حق میں آپ یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ	اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اُس کو نہیں
ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم	خرچ کرتے اللہ کی راہ میں تو اے محمدؐ اُن کو خوشخبری
بعذاب الیم۔ الآیۃ	سُنا دو دردناک عذاب کی۔

حتیٰ کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہیں کرتے تھے،

نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں مقید ہو جائے کیونکہ مسند میں ایک حدیث ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا جس میں حضرت ابوذر رض بھی شریک تھے۔ اور آکر کہا،

اکلتنا الضبع یا رسول اللہ | ہم لوگوں کو قحط کھا گیا یا رسول اللہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا۔ کہ میں اس سے زیادہ اُس وقت سے ڈرتا ہوں کہ تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایام آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپ نے ارشاد فرمایا۔

فیالیت امتی لا یتحلون الذھب | کاش میری اُمت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی۔

اس روایت سے گو سونے کی حرمت مطلقاً نہیں معلوم ہوتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ میری اُمت (خواہ مرد ہو یا عورت کہ لفظ عام ہے) سونے کا استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذر رض کے اندر جو خدا کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ پر اس حدیث کا کیا اثر مترتب ہوا ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اُنھوں نے اُمت پر سونے کو حرام کر دیا ہوگا تو کیا بعید ہے۔ خصوصاً جب کہ حدیث کے وہی راوی بھی ہیں۔ خلاف میں کوئی فتویٰ بھی نہیں۔ تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب فتاویٰ کی رائے بھی ہے۔ بہر حال اگر وہ طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے، اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکوٰۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے؛

مندرجہ بالا دعوے کی وجوہات میرے نزدیک آپ کی رائے کی صحیح تصویر یہی ہے، طبقات و مسند، اس وقت ہمارے سامنے کھلی ہوئی ہے۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے خود آپ کے ذاتی عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں زیادہ وقیع نہیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے۔

(۱) آپ اپنے وظیفہ سے سال بھر کی چیز خرید لینے کے بعد باقی روپیوں کے پیسے بھنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل وعیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو اُن کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اُس پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا۔ کہ قسم خدا کی اس میں اشرفی اور دراہم نہیں ہیں۔ بلکہ پیسے ہیں، جسے ابوذر ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے[۲]۔

(۳) آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں، گدھے بھی تھے جو باربرداری وغیرہ میں کام آتے تھے[۳]۔

(۴) آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے[۴]۔

(۵) آپ کی ملک میں زمین بھی تھی[۵] خواہ بصورت کھیتی یا باغ۔

(۶) خود آپ سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا یؤدی زکوتہا الا جاءت یوم القیٰمۃ اعظم ما کانت واسمنہ تنطحہ بقرونہا و تطؤ باخفافہا کلما نفذت اُخرہا عادت اولٰہا حتی یقضی بین الناس۔ (مسند احمد)

جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہو اور اُس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہو قیامت کے دن اُس کے یہ جانور لائے جائینگے۔ دنیا میں جس قدر بڑے ہوں گے قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے کر کے لائے جائینگے اسی طرح دنیا میں جس قدر موٹے ہونگے اُس سے زیادہ موٹے کر کے قیامت کے دن لائے جائینگے اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے اور پاؤں سے روندینگے جبتک حساب کتاب کا معاملہ ختم نہ ہوگا یہ اسی طرح کرتے رہیں گے جب ایک قطار ختم ہو جاوے گی دوسری لوٹے گی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر ان کے رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور یہ بالکل ناممکن ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں اور اسی اجازت کے خود حضرت ابوذر راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذرؓ کو اجازت دی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جس قدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو

---

[۱] تاریخ طبری وطبقات ۱۲ [۲] طبقات ۱۲ [۳] طبقات ۱۲ + [۴] مسند احمد میں ہے۔ الی ضیعۃ لہ ضیعۃ کے معنے مجمع البحار میں ہیں ہی الباتین والزراعۃ ۱۲ +

رکھے، اس کے لئے کوئی وعید نہیں۔ پھر حافظ ابن عبد البر کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز کو عام رکھتے تھے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

کیا ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں تو کیا غلطی ہے۔ تم خود غور کرو کہ اگر یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں، صحیح ہوں، اور انشاء اللہ ہیں، تو پھر ہمارے دعوے کی صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ نہیں سکے علاوہ اس کا اور جواب کیا ہوگا۔

اور جب کہ ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتویٰ منسوب کیا ہے، کہ حضرت ابوذر کا خیال تھا، کہ

صاحب المال کافر | مال والے کافر ہیں۔

یقیناً انتہائی کوتہ بینیوں میں مبتلا ہیں۔ میں حیرت میں ہوں، کہ جب سیر کی جیّد و موثق کتابیں اس فتوے سے معرا ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں، بلکہ ان کتابوں میں جو کچھ ملتا ہے، وہ محض اس کے خلاف ہی تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے نفوس بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظریوں پر ناز ہے، اس بے سروپا فتوے کو نقل کرتے ہیں، اور پھر اس کی تغلیط نہیں کرتے عفی اللہ عنہم

ہاں! اس قدر میں بھی مانتا ہوں کہ خاص ذہب (سونا) فضہ (چاندی) کے متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا۔ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں۔

میں ان کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس قدر ضرور کہ سکتا ہوں کہ اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعتِ اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کی مناشی صحیحہ موجود ہیں۔

مثلاً اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کر دیا، اس کے برتنوں وغیرہ کے استعمال کو بھی اسلام نے مرد و عورت دونوں کو قطعاً ممانعت کر دی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں۔ بلکہ اُخروی و دنیوی، دونوں ترقیوں کا یہ آلہ ہے، اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور اُن کو اُس نے زمین میں دفن کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر، اپنے بال بچوں پر اور قوم پر ظلم کیا،

کہ جتنے دنوں تک وہ آغوشِ زمین میں سوتی رہیں گی۔ کاش ان سے تجارت کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس ہزار بن جاتیں۔ یا اگر انہیں خدا کی راہ میں صرف کر دیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہو جاتا۔ کسی طرح زوال پذیر نہیں، سونے کو برتن، یا زیور کی صورتوں میں مقید کر دینے کے یہ معنی ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگا دیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذر رض جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے۔ تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی مقتضے نہیں تھا، ؟

اسی کے ساتھ خود قرآنِ حکیم نے بھی جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے، وہ گھوڑے گدھے اونٹ زمین واموال تجارت کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔	اور جو لوگ کہ سونا اور چاندی کو سینتتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اُسے خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک دکھ کا مژدہ سنا دو۔ جس دن یہ چیزیں جہنم کی آگ میں تپائی جائیں گی پھر اُن کی پیشانیاں اور پہلو، اور پیٹھیں ان سے داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جسے تم اپنے لیے جوڑ کر رکھتے تھے۔ پھر آج جس چیز کو جوڑ کر رکھتے تھے اُس کا مزہ چکھ لو؎

میں اُن تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں جنہیں مفسرین اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کی قرار دیکر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ آیت کو محکم قرار دیتے ہیں۔ لیکن لا ینفقونہا سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں یعنی جو لوگ ذہب و فضہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جمع کرتے ہیں یہ انذار اُن کے حق میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں سوال یہ ہے، کہ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو ظاہر ہی پر محمول کریں

اور جو لوگ اس کی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کرتے ہیں اُن کو اس سے روک کر یہ دعویٰ کریں، کہ ذہب و فضہ کی کل دو صورتیں ہیں یا تو اس کو استعمال میں لاؤ۔ ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تیسری صورت کوئی نہیں کہ یوں ہی بے کار گھر میں ڈال دو تو بتاؤ کہ اس میں کیا ناموزونیت ہوگی۔ اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ان کا یہ دعویٰ محض بے سرو پا ہوگا، خصوصاً جب کہ اس تفسیر کے بعد نہ نسخ کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد لازم آتی ہے۔ نہ صرف دینی حیثیت سے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے گذشتۂ بالا اصولِ کلیہ کو سامنے رکھ لینے کے بعد، تمدنی حیثیت سے بھی اس پر نکتہ چینی کی جرأت بہ مشکل ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص جب کہ طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا لیتے ہیں، تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی معذوری اور واضح ہو جاتی ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی مدرسہ صُفّہ کے نام سے قائم تھا۔ غریب و محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل ہو جاتے تھے۔ عام مسلمان ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسب وسعت کر دیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس میں ایک طالب علم کا انتقال ہو گیا۔ غسل دینے کے لئے جب اُن کا کپڑا اُتارا گیا۔ تو اُن کی لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے والا آلہ ہے۔ اسی کے بعد، ایک اور طالب علم کا بھی انتقال ہوا۔ ان کی بھی جب تلاشی لی گئی تو دو اشرفیاں برآمد ہوئیں۔ آپ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ داغنے کے دو آلے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین و شراح حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفہ کے طلباء عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور غربت ظاہر کرتے تھے۔ لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریاکاری ثابت ہوئی، کہ باوجود ثروت کے یہ اصحاب صفہ میں شریک ہو گئے تھے جو محض مسکینوں کی جماعت تھی، خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہو جائے گا کہ صفہ والوں کے پاس روپے رہتے ہیں تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہو جائیں گے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

میں اس تاویل کو مانتا ہوں، لیکن میرا مقصد یہ ہے، کہ جب حضرت ابوذر کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے، اگر اس کے بعد انھوں نے ذہب و فضہ کے متعلق گذشتہ رائے قائم کی تو یہ کوئی

مستبعد اور دور از قیاس نہیں ہے گو عامہ ارباب فتاویٰ واصحاب علم کی یہ رائے نہو۔

حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر رضؓ کا مباحثہ مسئلہ کنز پر

خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔ شام کے ناظم وعامل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اتفاق سے اُن کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا عام طور سے ارباب دول حضرت ابوذر رضؓ سے برہم ہو رہے تھے مزاج میں آپ کے مجذوبیت بھی تھی۔ ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی بھی کی ہو۔ اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں اس مسئلہ کی بدولت ایک ہل چل مچی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً اُن کو حضرت ابوذر کا یہ فتویٰ گراں گذرتا ہوگا۔ کیونکہ حضرت ابوذر اولاً اسے کنز کے مد میں داخل کر کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوں گے۔ ورنہ کم از کم زکوٰۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہوگی۔ پھر جو لوگ کہ زیور پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علما کی رائے ہے مثلاً ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم) ان کو یہ مسئلہ بُرا معلوم ہوتا ہوگا۔

الغرض رفتہ رفتہ یہ معاملہ اتنا طویل ہوا کہ حکومت دمشق اس سے متاثر ہوئی۔ یعنی حضرت معاویہ رضؓ تعالیٰ عنہ کو مجبوراً اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ خود صاحب الرائے والاجتہاد تھے۔ انھوں نے حضرت ابوذر کو بلوایا۔ اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوذر نے قرآن کی مندرجہ بالا آیت پڑھدی۔ مناظرہ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا اس کے ناقل خود حضرت ابوذر ہیں،

حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر کا مناظرہ

حضرت معاویہ! آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے۔ یہ آیت یہود ونصاریٰ کے رہبان واحبار کی شان میں نازل ہوئی ہے مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ۔

حضرت ابوذر! ہرگز نہیں وہ مسلمانوں کی شان میں ہے۔ طبقات میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے یعنی۔

ان کثیرًا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل	بہت سے اہل کتاب کے علما اور صوفیہ لوگوں کے مالوں کو جھوٹے طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں

ویصدون عن سبیل اللہ۔ | (یعنی قبر پرستی وغیرہ میں مصروف رکھ کر اپنی مٹھیاں گرم کرتے ہیں

وہ یقیناً احبار و رہبان نصاری و یہود کے حق میں ہی ہوں کہ اسی کے بعد آیت والذین یکنزون الآیۃ ہے۔ پس یہ صریحی قرینہ ہے کہ اس آیت سے مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں، بلکہ جو لوگ یاکلون یصدون کے فاعل ہیں وہی یکنزون کے بھی ہیں۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالے عنہ کا خیالِ مبارک یہ تھا کہ یہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے ورنہ الذین کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس طرح یصدون کو بغیر (الذین) کے عطف کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا یہ دلیل ہے کہ یہ آیت ہر ایک شخص کے لئے عام ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم،

میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے جس آیت میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اختلاف ہو، بے ادبی ہوگی، کہ ہم جیسے کندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جرأت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید ہفتوں ہوتا رہا۔ لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑے کے پہلوان تھے ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سُنی، اپنی اپنی رایوں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔

حضرت ابوذر کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں،	تھک کر حضرت معاویہ رضؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے حضرت ابودردا، حضرت عمرو بن العاص حضرت عبادہ بن صامت

حضرت ام حرام رضی اللہ تعالے عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا۔

"کہ جس طرح ابوذر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے آپ لوگ بھی رہے ہیں جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور اُن کے دیکھنے والے ہیں۔ یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ پس کیا آپ لوگ جا کر ان کو سمجھا سکتے ہیں ؟ ہماری تو وہ نہیں سنتے "، سبھوں نے آپ کی درخواست قبول کی، اور ایک متفقہ وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذر

ملے مسند احمد ۱۲

گو یہ ہو کہ سبھوں نے اپنے اپنے علم و عقل کے اعتبار سے آپ کی فہمائش کی۔ کاش مورخین اُن بیانوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی، مگر اس وقت تک کسی کتاب میں مجھے اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذر نے جب سب کی گفتگو سُن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے،

"اے ابوالولید (حضرت عبادہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ہم سے ہر بات میں مقدم ہیں، آپ عمر میں بھی بڑے ہیں، آپ کو ہم پر بزرگی بھی حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی آپ نے مجھ سے زیادہ اُٹھائی ہے"

"پھر اسی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وفد سے زیادہ نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے (یعنی باوجود اس فضل و کمال کے آپ بھی سمجھانے آئے ہیں)"

حضرت عبادہ سے تو صرف اس قدر فرما کر آپ چپ ہو گئے۔ اس کے بعد علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر:—

سے۵۳ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ مکہ معظمہ میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ اولیٰ میں مدینہ منورہ میں آپ نقیب تھے۔ دوسرے عقبہ اور تیسرے عقبہ سب میں یہ مکہ آئے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا۔ حضرت معاویہ رضؓ سے آپ کا بھی اختلاف ہو گیا تھا لیکن حضرت عمر رضؓ نے پھر آپ کو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہ تم پر امیر نہیں ہیں ۳۴ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا ۱۲ استیعاب

فرمانے لگے

"بھیے تم جی ابو درداءؓ تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے تمہیں ایمان لانے کا موقعہ نہ ملے مگر خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد بھیے اور صلحائے مسلمین میں سے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت تو مختصر ہے تم ہماری باتوں پر کیا نکتہ چینی کر سکتے ہو۔ منشاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر ہم سمجھتے ہیں، یقیناً وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی)

اور عمرو بن العاصؓ! بھیے، تم تو خود بتاؤ، کہ جہاد کے علاوہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے (یعنی فضیلت صحبت ضرور حاصل ہے خصوصاً جہاد کی صحبت لیکن مسائل شرعیہ کے سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں ہو سکتی ہے میں تو سالہا سال حضور کی خدمت میں سفراً حضراً رہا ہوں اور تم صرف جہاد میں پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں) اور ان بیچاری ام حرامؓ کو کیا کہوں ایک عورت ہیں۔ پھر ان کی عقل بھی ایک عورت ہی کی عقل ہوگی۔"

اور اخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا ہے جس کا مطلب ہمارے نزدیک یہی ہے۔

"کہ پس جو تم لوگوں کا حال ہے ان کا (یعنی حضرت معاویہ) بھی اسی کے قریب ہے"

اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہ دم بخود ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف

ؓ آپ کا نام عویمر تھا، اپنے گھر میں سب سے اخیر میں مسلمان ہوئے، آپ کا نام حکیم الامۃ تھا۔ جلیل القدر لوگوں میں تھے جس وقت آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت ابوذر مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے گئے تو فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" اگر ابوذر میری بوٹی بھی اڑا دیتا تو میں اس کی مذمت نہ کرتا ۳۲ھ میں آپ نے بھی انتقال فرمایا۔ ۱۲ استیعاب ؓ آپ ۸ھ میں اسلام لائے اسی سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات سلاسل پر بھیج دیا، اور اس کے بعد عموماً لڑائیوں پر رہے، سکندریہ کے فاتح آپ ہی ہیں۔ حضرت معاویہ اور حضرت علیؓ کے درمیان میں جو مغالطہ ہوا اس میں آپ شریک تھے اور یہ مشہور ہے ۴۳ھ میں انتقال ہوا اور انتقال کے وقت آپ کا جملہ یہ تھا "کہ مجھ پر تین زمانے گذرے ہیں کفر کا اور اسلام کا اور اخیر میں بادشاہوں کی صحبت میں مبتلا ہوا اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں مجھے فائدہ پہونچاتی ہیں یا نقصان ۱۲ استیعاب ؓ حضرت انس کی خالہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عبادہ کی بیوی ہیں۔ ایک جہاد میں سواری سے گر کر شہید ہوئیں ۱۲ استیعاب

لے گئے۔

لا جرم ما جلست مثل هذا المجلس ابدا | یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا جہاں ایسی کھری کھری سنائی جاتی ہوں

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے، حضرت معاویہ کو جا کر کہدیا ہوگا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

آپ کی تبحر علمی پر ایک نظر | یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے، کہ صحابہ آپس میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کر کے شکوک و وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے معاصر تھے۔ برابری کے مدعی تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو اس کا حق حاصل تھا لیکن ان کی باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا، کہ تو ہم بھی پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ نہ صرف خرد ماغی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کی مجلس کی توہین کرنی ہے ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام امت کا سردار و پیشوا ہے بایھم اقتدیتم اھدیتم ایمان و اسلام کے نگینوں کی نقوش ہیں اور ہر مسلمان کو اپنے مومن دل پر اس کو کندہ کر لینا چاہیئے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اس کی تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انھوں نے کہاں تک درست فرمایا، اگر پتہ چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہیئے، سمجھنا چاہیئے کہ انھوں نے تو سچ فرمایا ہوگا، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکے یا واقعات کے نہ معلوم ہونے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہ سکے الی غیر ذالک

بہر حال چونکہ حضرت ابوذر سے اس مکالمہ میں فضیلت علمی کا ادعا پایا جاتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی یہیں روشنی ڈالدی جائے۔

حیدر کرار اقضی الصحابہ و باب العلم کی اس شہادت کو پڑھو! اور خود غور کرو! کہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو کیا غلط کیا۔ فرماتے ہیں۔

ابوذر سخت حریص، اور لالچی تھے۔ لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور اس کی باتوں پر عمل کرنے میں اور حریص علم کے حاصل کرنے میں سب سے بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے پھر کبھی انھیں جواب دیا گیا ہے اور کبھی نہیں۔

* طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۷۰

لیکن اس پر بھی"

قد ملئ له فی وعائه حتی امتلاء | ان کے لئے ان کا پیمانہ بھر دیا گیا حتی کہ وہ لبریز ہو گیا"

کیا علم کے دروازہ کی یہ گواہی ابوذرؓ کے دعوے کی یہ دلیل نہیں۔ خود حضرت ابوذرؓ بھی جوش میں آکر فرمایا کرتے تھے، کہ:۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت بچھڑے ہیں کہ فضاء آسمانی میں بازو ہلا کر اڑنے والا کوئی ایسا پرندہ نہیں رہ گیا تھا کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی ہو"

اگر حضرت ابوذرؓ کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی وسعتوں کا کیا حال ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

اور کون ہے جو ان کی سچائی میں کوئی شاخسانہ پیدا کر سکتا ہے جب کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کی زبان و لہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی۔ فرمایا:۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر | کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہیں ڈالا، اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا۔ جو ابوذر سے بھی زیادہ سچا ہو"

کسی تصدیق و تزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزندار، زیادہ روشن تاباں الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابوذر کے دعوے کو بجائے خود دعوی یعنی مرفوع حدیث کا حکم دیدیا جائے تو اصولاً کوئی مانع ہو سکتا ہے؟

العرض مجھے کہنا یہ ہے کہ ابوذر کے علوم و معارف کی فراخ دامانیوں کا جب یہ حال تھا تو اگر انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفد کو گذشتہ بالا باتیں کہہ کر واپس کر دیا تو یہ کوئی اعتراض و طعن کا مقام نہیں ہو سکتا؟ لمن کان له قلب۔

حضرت معاویہ رضؓ کا تشدد

حضرت معاویہ نے خود سمجھایا صحابہ کو بھیج کر فہمایش کی کوشش کی۔ لیکن جب کسی میں کامیابی نہ ہوئی، ادر ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا گھبرا جاتے تھے، تقریباً روزمرہ ارباب ثروت، اصحاب دولت، حضرت ابوذر کے خلاف میں عرضیاں پیش کرتے، اور درخواست دیتے، کہ عموماً

*سند احمد ۱۲ و صحاح مسانید و طبقات وغیرہ ۱۲

ان کی طرف ہو کر، ہماری ہجو و توہین کرتے رہتے ہیں؛ جدھر سے مالداروں کا گذر ہوتا کنز (داغ) کی آیت و حدیث ان کے سامنے تعریضاً پڑھ دیتے جس سے خواہ مخواہ ان کی طبیعت منقبض ہو جاتی ہوگی؛

انجام کار، حضرت معاویہ نے مجبور ہو کر مصالح ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرا دی "کہ ابوذر کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو، ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے"*

جس وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی، کہ مجھ سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے، آپ نے اسی وقت گردن تسلیم خم کر دی، اگر کوئی آپ کے پاس آکر بیٹھتا تو اسے منع فرماتے اور کہتے "کہ معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے دیکھو تم اٹھ جاؤ۔ میں تمہارے لئے کوئی مصیبت تیار کرنی نہیں چاہتا"

ابن خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی اور حضرت معاویہؓ کے خلاف میں ابھارا، لیکن چونکہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا اس لئے یہ قطعی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔

وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو کچھ گفتگو کی یا کرائی وہ محض ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی، اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے کوئی ضروری نہ تھا؛

اور یہ حکم آپ کا بحیثیت نائب الخلیفہ، امیر الملک ہونے کے تھا جس کی مخالفت حضرت ابوذر سے ناممکن تھی، حضرت معاویہؓ تو ایک قریشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے، آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی، جسے اکثر خود بھی فرمایا کرتے تھے،

"کہ مجھے رسول اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ اگر کوئی حبشی گوش بریدہ غلام بھی تم پر امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت کرنا، اور اس کے حکموں کو سننا"،

اور جب ایسے غلام کی اطاعت آپ پر ضروری کی گئی تھی۔ تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ سے سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ بلند فرماتے۔

* طبقات صفحہ ۱۶۷ ؎ طبقات صفحہ ۱۶۷ ؎ ابن خلدون صفحہ ۱۳۲ ج ۳ ؎ طبقات و مسند

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے، آپ اُن کو لاکھ منع فرماتے تے لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان بیچاروں کو کھینچ کر آپ کے قدموں پر ڈال دیتی تھی!

اور جب وہ آجاتے تو پھر آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے کیونکہ حضرت معاویہ نے اس کی آپ کو ممانعت نہیں کی تھی۔ ان کی منادی عامہ مسلمین کے لئے تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں لیکن خود حضرت ابو ذر کو بارگاہ نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں، مسائل وفتاوی کی اشاعت نہ کریں، اس لئے جب لوگ آجاتے تو پہلے اُن کو اٹھاتے، لیکن جب نہیں ٹلتے تھے تو پھر اُن کے سامنے کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

آپ کی تبلیغی اولوالعزمیاں۔ اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گذر چکے ہیں جن میں آپ کے اس فرق کی پوری تجلیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ لوگ برہم ہوتے تھے تو آپ نے خاموشی کیوں نہیں اختیار کی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کریں صحاح میں ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے،

"کہ اگر ابوذر کی اس رگ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھدی جائے اور کسی سچی بات کی تبلیغ اس سے رہگئی ہو تو وہ اسے نافذ کر دیگا"

یہ بھی عموماً آپ بیان کیا کرتے تھے۔

"کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں سچی بات کہوں اگرچہ وہ تلخ کیوں نہ ہو"

اسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا۔

"کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء و امراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض ہے لیکن تین باتوں میں یہ مانع نہ ہوں۔ بھلائی اور نیکی کی تعلیم دینے سے، بیڑا ٹھوں کے ٹکنے سے، اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اشاعت ونشر دل کھول کر کروں"*

ظاہر ہے کہ تبلیغ واشاعت کا جذبہ جس کے سینہ میں اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بیقرار نہ ہو تو آخر کیا ہو۔

ممکن تھا کہ حضرت معاویہ خود آپ ہی کو درس وعظ سے روک دیتے، لیکن اُن کا دل حضرت ابوذر

* مسند احمد ۱۲ ۷ مسند احمد ۱۲

کی قدر کرتا تھا، آپ ان کی عظمت جیسی کچھ کرتے تھے وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہو جاتے تھے۔ ارادہ بھی کرتے تھے، لیکن مروت وادب مانع آجاتے تھے،

دربار خلافت سے طلب آئی | آخر جب خود اُن سے کچھ نہ ہو سکا، تو مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اُنھوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی برہمی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ وغیرہ کا قصہ انھیں لکھ بھیجا۔ اور اخیر میں لکھا،

"کہ ابوذر کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے۔ آپ انھیں مدینہ منورہ بلوالیں*"

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مناسب خیال کیا کہ انھیں شام سے بلوالیا، اور ایک خاص آدمی اس کام کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذر کے نام یہ فرمان تھا، "تم ابھی مدینہ چلے آؤ*"

دمشق سے روانگی | جس وقت حضرت ابوذر کو یہ فرمان ملا بلا کسی چون وچرا لاد نعم کے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے، حتیٰ کہ بال بچوں کو لے جانے کا سامان عجلت میں آپ نہ کر سکے، بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کر دیا* جب آپ کے اہل وعیال مدینہ آئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جس میں پیسے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور تھی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں، اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا، مگر جو تفتیش میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کیا باقی رہتا ہے،

مدینہ کا داخلہ | خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اللہ تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی، ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا،

مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشا اور لوگوں کی برہمی | زائرین ومشتاقان جمال ابوذری کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ تھا۔ بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی جیسا کہ آپ کی عادت تھی، یہاں بھی آپ نے وعظ وپند کا دروازہ کھول دیا، منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلۂ کنز کو بیان کرتے تھے،

* طبقات صفحہ ۱۶۶ ج ۴-۱۲ * طبقات ایضاً ۱۲ * طبقات ایضاً ۱۲

یہ ایک ایسا دل خراش مسئلہ تھا کہ ناسمجھ دولت مندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں بھی چڑھنے لگیں غربا۔ امیروں پر ٹھٹھے لگانے لگے دلغ داغ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔

آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا مسند احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

"کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی شکایت شروع کی"،

بہر حال، بہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیدا ست، مخالفین نے یہاں بھی آپ کو ستانا شروع کیا۔ حضرت عثمان رضؓ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی گئی،۔

"کہ جس وجہ سے انھیں شام سے بلوایا گیا مدینہ میں بھی آکر انھوں نے وہی سلسلہ چھیڑ دیا ہے ایک فساد برپا ہو رہا ہے"، [1]

دربار خلافت میں کعب احبار سے مناظرہ

حضرت عثمان رضؓ نے تنگ آکر آخر آپ کو بلوایا دربار میں کعب احبار موجود تھے حضرت عثمان نے اشارہ کیا، کہ ان سے بحث کرو اور سمجھاؤ کعب احبار آگے بڑھے اور مخاطب کر کے اس طرح تقریر شروع کی۔،

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان و معتدل شریعت مذہب اسلام ہی اس کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور ان کی فطرتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ موسوی شریعت تمام ملتوں میں سخت گیر اور کڑی ہے۔

پھر جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں مالوں کے جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے جب کہ یہودیوں کو اس کا حکم نہیں دیا گیا، کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں، تو اسلام معتدل و متوسط اسلام میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے؟ کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دے۔ ورنہ قیامت کے دن انگارے بن کر لپٹیں گے"،

ایک اور معارضہ بھی کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کعب احبار کی منطقی دماغ کا نتیجہ ہے، بہر کیف اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا کر مرے، اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل فرمائیں جب میت کے لئے کچھ چھوڑ کر

[1] طبقات ص۱۶۶ ج ۴ - ۱۲۰

مرنا جائز ہی نہیں، تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی، الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری نہیں ہے"

ایک[۱] تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا، دوسرے[۲] دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق تھیں، کیوں کہ ابھی تم پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے مخالف نہ تھے،

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کیا وسعت و نرمی کا مدار صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا چاندی ہو، زمین، اونٹ، جانور اموال تجارت وغیرہ سے وسعت و فراخی نہیں ہوتی اس طرح کیا میراث صرف زر و سیم کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

ان کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے پر تھا، اور اس کا منشا بھی وہی تھا، کہ یہ دونوں چیزیں بیکار رکھ چھوڑنے کی نہیں ہیں، جسے آج تیرہ سو (۱۳۰۰) برس کے بعد دنیا نے بھی سمجھا اور بنک قائم کر کے تمدن، و عمران میں ایک مفید جزو کا اضافہ کیا گیا (اگر اس میں سودی لین دین کا سلسلہ نہ رکھا جائے[۱]
میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر تدین و تمدن دونوں اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے، اور اس پر آیت قرآنیہ احادیث نبویہ نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے، لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی منشا کے موافق نہ سمجھ کر، اور یہ خیال کر کے، کہ یہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں، اعتراضات کر دیئے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بیچارے صحابی بھی نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے، اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جو صحابہ کو بھی اپنا معاصر ہم دم و ہمقدم خیال کرتا تھا

الغرض مجموعی طور سے یہاں پر کچھ ایسی باتیں جمع ہو گئیں، کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر ناسمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے، اور بطور پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس میں کچھ مجذوبیت بھی ہو

[۱] میری مراد یہ ہے کہ یورپ کے ارباب دانش بھی روپیوں کے گاڑنے اور گھر میں جمع کرنے کے مخالف ہیں انھوں نے تجربے کے بعد یہ سمجھا ہے کہ مشترکہ سرمایہ کی صورت میں بنک قائم کر کے اسے مفید بنانا چاہیے، کاش اگر نفع کو معین نہ کرتے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا عمدہ صورت ہو سکتی ہے ۱۲

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب وغیرہ تو کیا دیتے، وہیں بھرے دربار میں حضرت ابوذر نے سونٹا اٹھا کر کہا، کہ "او یہودیہ کے بیٹے[1] یہ کیا باتیں بنا تا ہے؟"

کعب احبار نے دیکھا، کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہی کہیں حضرت ابوذر سونٹا رسید نہ کردیں۔ بیچارے بھاگے حضرت ابوذر بھی کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا، یہ بھی لاٹھی لئے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے، اور یہ کچھ برا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے، اخیر میں تنگ کر کعب حبار حضرت عثمان رض کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ گئے گو ان کو وہ خلیفہ ضرور سمجھتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی خیال کرتے تھے غرض یہ ہوئی کہ آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمان رض کی پشت مبارک پر جا کر ٹھیر گئی[2]

ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی دھینگا مشتیوں میں یہ کوئی بعید نہیں۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی والنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس کی کوئی بل بھی آیا ہو، اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ کیا، بلکہ اس زمانہ میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے، مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتے تھے، کہ ابوذر بھی ایک ایسے طائفہ کا سرخیل و رسلطان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر بھی انھیں حسرت رہجائیگی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض کہ یہ مجلس یوں ہی ختم ہو گئی۔ اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

---

[1] چونکہ کعب ابتداءً یہ یہودی تھے اس لئے حضرت ابوذر رض کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا اور ایک مجذوب آدمی اس میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے "اے یہودیہ کے بیٹے" کہا ۱۲

[2] یہ تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے میں نے تفسیر روح المعانی ج ۷ صفحہ ۔۔ سے یہاں نقل کیا ہے۔ ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے چوٹ بھی آئی۔ اور سر کھل گیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زخم کو مالک یعنی اپنی خاطر سے معاف کرادیا۔ واللہ اعلم ۱۲۔

مرنا جائز ہی نہیں، تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی، الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری نہیں ہے"

ایک[1] تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا، دوسرے[2] دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق تھیں، کیوں کہ ابھی تم پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے مخالف نہ تھے،

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے نہیں جیسا کہ ظاہر ہے کیا وسعت و نرمی کا مدار صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا چاندی ہو، زمین، اونٹ، جانور اموال تجارت وغیرہ سے وسعت و فراخی نہیں ہوتی اس طرح کیا میراث صرف زر و سیم کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

ان کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے پر تھا، اور اس کا منشا بھی وہی تھا، کہ یہ دونوں چیزیں بیکار رکھ چھوڑنے کی نہیں ہیں، جسے آج تیرہ سو برس[1300] کے بعد دنیا نے بھی سمجھا اور بنک قائم کر کے تمدن، و عمران میں ایک مفید جزو کا اضافہ کیا گیا (اگر اس میں سودی لین دین کا سلسلہ نہ رکھا جائے[1])

میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر تدین و تمدن دونوں اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے، اور اس پر آیت قرآنیہ احادیث نبویہ نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے، لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی منشا کے موافق نہ سمجھ کر، اور یہ خیال کر کے، کہ یہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں، اعتراضات کر دیئے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بیچارے صحابی بھی نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے، اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جو صحابہ کو بھی اپنا معاصر ہمدم و ہمقدم خیال کرتا تھا

الغرض مجموعی طور سے یہاں پر کچھ ایسی باتیں جمع ہو گئیں، کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر ناسمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے، اور پھر طور پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس میں کچھ مجذوبیہ بھی ہو

[1] میری مراد یہ ہے کہ یورپ کے ارباب دانش بھی روپیوں کے گاڑنے اور گھر میں جمع کرنے کے مخالف ہیں انھوں نے تجربے کے بعد یہ سمجھا ہے کہ مشترکہ سرمایہ کی صورت میں بنک قائم کر کے اسے مفید بنانا چاہیئے، کاش اگر نفع کو معین نہ کرتے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا عمدہ صورت ہو سکتی ہے ۱۲

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب وغیرہ تو کیا دیتے، وہیں بھرے دربار میں حضرت ابوذر نے سونٹا اٹھا کر کہا، کہ "او یہودی[1] یہ کیا باتیں بناتا ہے۔"

کعب احبار نے دیکھا، کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے کہیں حضرت ابوذر سونٹا رسید نہ کردیں۔ بیچارے بھاگے حضرت ابوذر بھی کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا، یہ بھی لاٹھی لئے ہوئے اُن کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے، اور یہ کچھ بُرا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے، اخیر میں تنگ کر کعب حضرت عثمان رضہ کی طرف بڑھے اور اپنے کو ان کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ گئے گو ان کو وہ خلیفہ ضرور سمجھتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی خیال کرتے تھے غرض پہونچ کر آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمان رضہ کی پشت مبارک پر جا کر ٹھیر گئی[2]۔

ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی دھینگا مشتیوں میں یہ کوئی بعید نہیں۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو، اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ کیا، بلکہ اُس زمانہ میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے، مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتے تھے، کہ ابوذر بھی ایک ایسے طائفہ کا سرخیل اور سلطان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر بھی انھیں حسرت رہ جائیگی کہ حق ادا نہ ہوا۔

غرض کہ یہ مجلس یوں ہی ختم ہو گئی۔ اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

---

[1] چونکہ ابتداءً یہ یہودی تھے اس لئے حضرت ابوذر رضہ کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا اور ایک مجذوب آدمی اس میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے "او یہودیہ کے بیٹے"، کہا ۱۲

[2] یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے میں نے تفسیر روح المعانی ج ۲ صفحہ ۲۸ سے یہاں نقل کیا ہے۔ ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے چوٹ بھی آئی۔ اور سر کھل گیا تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس زخم کو معاف کرالیا یعنی اپنی خاطر سے معاف کرادیا۔ واللہ اعلم ۱۲۔

حضرت ابوذر پر حضرت عثمان رض کی بدگمانی اور اس کی صفائی	اس مجلس سے آپ اس وقت تو اُٹھ کر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا یعنی جن دنوں حضرت ابوذر شام سے مدینہ آئے اُسی زمانہ میں عبداللہ بن سبا

یہودی مفسد الامت مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ بلکہ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت سے وہ اس فکر میں اسلامی شہروں کی سیر کر رہا تھا۔ اور مختلف صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں اُبھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

اس فتنہ کی مفصل کیفیت القاسم دور قدیم میں اگرچہ شائع ہو چکی ہے۔ اس لئے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنہ کا گو علم اس وقت نہ ہوا لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بد دل و بدگمان ہو رہی ہے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ خلافت سے دست بردار ہو جاتے لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی۔

"اے عثمان شاید خداوند تعالیٰ تم کو کوئی قمیص پہنائیں گے۔ پس اگر منافقین (یعنی عبداللہ بن سبا و اتباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں تو دیکھو تم خود اس کو کبھی نہ اتارنا حتیٰ کہ مجھ سے آکر ملو۔"[۵]

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی۔

پھر آپ کی مجال تھی کہ اس وصیت نبویہ کے بعد بھی، آپ عبداللہ بن سبا کی ان ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن بنانے کے لئے سریر خلافت چھوڑ دیتے، دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں۔ آسمان زمین پر گر جاتے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جاتی، اس وقت بھی عثمان جیسے مطیع و فرمانبردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی زبان مبارک سے سنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرتے۔

---

۵ ترمذی ۱۲۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں کا یہ عقیدہ جزو ایمان ہو رہا تھا کہ مضرت وہی مضرت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضرت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی صرف وہی فائدہ ہے جسے حضور نے فائدہ سمجھا ہو۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے۔ کہ یہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتاب رسالت کے سامنے مصالح و تقیہ کے چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا، اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش ہوتی۔ تو انھیں لفظوں کے ساتھ ہوتی۔

"کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا ہے اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا"[1]

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کی پاس عہد میں، سمجھ کر اور جان کر، ایک جلیل القدر تیس سو بے نے بعد بیکسی قرآن کے اوراق پر اپنے پاک لہو کو بہا دیا۔ اور خوشی سے بہا دیا۔ فرضی اللہ عنہ۔

رفتیم با غمت دل پر خون گذاشتیم جا نزا بعید گاہ تو درخوں گذاشتیم

ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار ہونے والوں کا کیا جواب ہے جو عشق و سرمستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہو، وہ کیا جانے کہ کیا کرنا چاہیے تھا اور کیا نہیں کرنا چاہیے تھا جس نے اپنی ابتدائے اسلام سے ہمیشہ اپنا طغرائے امتیاز ع اندیشۂ زیاں و غم سود شستہ ایم، رکھا ہو، سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر اس کے مقابلہ میں نفع و ضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

علاوہ اس کے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استعفا کے بعد عبداللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیا عبداللہ عثمان کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا وہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی، دل دکھا ہوا ہے اس لیے قلم رکتا نہیں۔

بہر حال میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہونچی،

---

[1] ترمذی ۱۲-۶

توخطرناک آپ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس میں شریک ہوئے ہیں۔

میں ابن خلدون کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابو ذر کے پاس پہونچی تھی۔ اور آمادہ بغاوت کرنا چاہا تھا ممکن ہو کہ حضرت عثمانؓ کو اس کی خبر ہو گئی ہو ادھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے ان کو یکایک مدینہ بلالینا۔ یہ چند باتیں ایسی پیش ہو گئیں کہ آپ کو کچھ حضرت ابو ذر سے بھی بدگمانی ہو گئی۔

ممکن ہو کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو۔ بہرکیف کچھ ہو حضرت ابو ذر کو کسی طرح سے یہ خبر مل گئی۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا۔ اسی وقت آپ اُٹھے اور اپنے قبیلہ کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانۂ خلافت کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ پر اس خبر کے سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے حتیٰ کہ جس دروازہ سے مکانِ خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ درّہ لئے ہوئے اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو آپ کو اس طرح آتے ہوئے دیکھا، تو یکایک آپ پر خوف طاری ہو گیا۔ جو خطرہ ابھی تک ظن و گمان کی حدود تک محدود تھا اس نے یقین کی شکل اختیار کی۔[۱]

لیکن آپ کے فطری وقار و تمکنت سے ظاہراً آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا جس طرح جلوس فرماتے اُسی طرح بیٹھے رہے۔

اتنے میں حضرت ابو ذر قریب پہونچ گئے۔ اور سامنے آکر فرمایا "السلام علیکم"، اور قبل اس کے کہ کچھ مزاج پرسی کریں گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا۔

احسبتنی منھم یا امیر المومنین | کیا آپ مجھے اُن لوگوں میں گمان کرتے ہیں۔ (یعنی مفسدوں میں)

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی اس طرح برأت شروع کی۔

[۱] طبقات ۴

"وہ قسم خدا کی یہ بیں اُن لوگوں میں ہوں اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں ان کی علامت ٹوکتے ہوئے سر ہیں۔ وہ دین سے اس طرح دور ہوں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکل جاتا ہے۔"[۵۱]

ابوذر رض کی برارت کے لئے یہ الفاظ خصوصاً جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت کافی تھے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت و وقعت آپ کے دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا آپ کو فکر اور سخت فکر دامنگیر ہو گئی تھی، کہ حضرت عثمان کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب کسی سے بدگمان ہو گیا ہو اور شیدائے جانباز سر بپائے او، رکھ کر ہر ایک ممکن العمل ذرایع سے اس کی تشفی کرنا چاہتا ہو۔ پھر اس کے دل نازک کو خیال کر کر کے مکرر الحاحوں، اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

حضرت عثمان بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذر رض کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے ہیں۔

"آپ اگر مجھے حکم دیں کہ بالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک آپ ہی اس کے چھوٹنے کا حکم نہ دیں[۵۲] (یعنی باوجودیکہ یہ ایک لغو کام ہو گا لیکن آپ کی خاطر واطاعت مجھے اس درجہ منظور ہے کہ نفع و ضرر کا خیال دماغ میں آہی نہیں سکتا۔) اسی طرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہو جاؤ تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا جب تک آپ حکم نہ دیں۔ (فتح الباری)

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ولنعم ماقیل۔

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشک غیر کا ۔۔۔ کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا مجھے

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں سرگوشی ہوتی رہی حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔[۵۳]

---

[۵۱] چونکہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہوا یا نہیں۔ بہر حال آپ کا علم اس فتنہ کے متعلق اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمان کو کہ کچھ لوگ آمادہ فساد ہیں ۱۲ وہ اس علم کو علم نہیں کہہ سکتے ماخوذ از طبقات فتح ۱۲

[۵۲] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲ [۵۳] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۲ ج ۴۔ ۱۲

آخر جب یہ مجلس راز ونیاز ختم ہوگئی اور خدا جانے کن باتوں پر ہوئی کہ ادھر حضرت عثمانؓ کا سینہ بھی اسرار نبویہ کا گنجینہ تھا۔ ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فرمادیا کرتے تھے، "کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو تو میں کبھی نہیں بتا سکتا۔"[۱]

جہاں دو طرف یہ حال ہو وہاں ماؤشما کی رسائی اور وہ بھی سرگوشیوں کی موقعہ پر جو کچھ ہو سکتی ہے، وہ معلوم۔ ہاں! طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذر اُٹھے تو باچھیں کھلی ہوئیں تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے، لوگوں نے پوچھا بھی، کہ امیر المومنین اور آپ میں کیا باتیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

"کہ سننے والا فرمانبردار ہوں، اگر مجھے حکم دیں گے کہ تم عدن یا صنعا چلے جاؤ اور مجھ میں طاقت چلنے کی باقی رہے گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا۔"[۲]

مدینہ سے کوچ | اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا۔ لیکن کیوں چھوڑا، عام مورخین تو لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کردیا تھا مگر اس باب میں سب سے زیادہ موثق کتاب طبقات ابن سعد ہے علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ طبقات صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے، بعد والوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے عموماً اسی کے رہین منت ہیں اس لئے میں اس وقت جو کچھ لکھوں گا اسی سے لکھوں گا۔

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ابوذر کو جلاوطن کردیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک اہم واقعہ ہے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابن سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں ہوئی اور متاخرین اس پر کہاں سے مطلع ہوئے۔ لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل ہوئی۔ آہ! کہ عبداللہ بن سبا مسلمانوں کے ساتھ کتنا احتیاط سے بیٹھا اور اس نے وہ کام کئے جو اس کے نجدی شیخ کو بھی نہ سوجھی ہوں گے۔

[۱] مسند احمد ۱۲ [۲] طبقات ابن سعد ۱۲

لمثل ہذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب ایمان و اسلام	اس قسم کے واقعات سے بوجہ اندوہ نہانی کے قلوب پگھل جاتے ہیں اگر ان میں اسلام اور ایمان کا ذرا سا بھی شائبہ ہو۔

بہرکیف ابن سعد نیز امام بخاری کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر، مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ آپ کے مشاغل میں ان کی کثرت سے حرج واقع ہو جاتا تھا، آخر اس کا تذکرہ حضرت عثمان رضؓ سے کیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں مدینہ سے چلا جانا چاہتا ہوں اس پر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔

"اگر تم ہمارے پاس چلے آؤ (یعنی جب ہمارے پاس رہو گے تو لوگ خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیر دار اونٹنیاں صبح و شام آپ کے پاس آیا کریں گی۔[۱]

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا فرمایا کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں، (یعنی اونٹوں کی ضرورت نہیں ہے) مجھے آپ اجازت ہی دیدیں، اور وجہ ظاہر ہی تھی کہ آخر مسجد نبوی میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے۔ مدینہ اس زمانہ میں دار الخلافۃ الکبریٰ تھا، لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا جس وقت ابوذر نکلتے خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے، جیسا کہ دنیا کی اس وقت بھی یہی عادت ہے۔ کہ بزرگوں کے پیچھے دوڑتے پھرتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل گئی ہے، اور اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں۔[۲]

آخر حضرت عثمان رضؓ نے مجبور ہو کر فرمایا کہ

ان شئت تنحیت فکنت قریبًا	اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر (مدینہ کے کسی) ناحیہ میں چلے جاؤ تاکہ قریب ہو

اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ

اذن لی اخرج الی الربذۃ۔	آپ اجازت دیجئے تاکہ میں ربذہ چلا جاؤں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جا سکتے ہیں میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔[۳]

---

[۱] طبقات ابن سعد ۱۷۔ [۲] ابن جریر طبری میں آخری وجہ مذکور ہے [۳] طبقات ۱۷۔

لیکن حضرت ابوذرؓ کی فنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کرکے آپ نے فرمایا۔

دونکم معاشر قریش دنیاکم فاغذموھا لاحاجۃ لنا فیھا۔	قریشیو اپنی دنیا کو تم لو، اور اسے خوب زور سے تھامو ہمیں اس کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں۔

یہ فرماکر آپ حضرت عثمانؓ سے رخصت ہوئے اور مع اپنے اہل و عیال کے زہد عیسوی کا مظہر اتم نمونہ مکمل اپنی آخری زندگی گذارنے کے لئے، اس صحرا کی طرف روانہ ہوگیا جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا۔

ربذہ | ذات عرق سے جو سڑک مکہ معظمہ کو گئی تھی ٹھیک اسی کے کنارے میں یہ ایک مختصر گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے عرار و بہار[۵۲] کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہی جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں اسی خطہ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا شرف میں جو خاص سرکاری رکھت تھی، ربذہ اس کے دہنے جانب پر واقع تھا۔[۵۳]

حضرت ابوذرؓ کی زندگی جس طرز کی ہوگئی تھی حقیقت یہ ہی کہ اس کے مناسب ربذہ سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں مشکل میسر آسکتا تھا ع جائے بود کہ برقامتِ او دوختہ اند +
کائنات کے بادشاہ کا روضہ پاک بھی سامنے تھا، اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا اس سے بھی آپ کو گونہ علیحدگی ہوگئی جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی حضرت ابوذر ہی راوی ہیں، کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب	جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلص نکال دیگا اور اس کو اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا

بار بار تلاوت فرمارہے تھے حتی کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہوگئی،

[۵۲] طبقات ۱۲ [۵۲] عرار و بہار نجد کی دو خوشبوؤں کے نام ہیں عرب کے شعراء اس کے بہت دلدادہ تھے ۱۲ [۵۳] معجم البلدان ۱۲

عین اسی حال میں آپ نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو کہاں جاؤ گے؟

حضرت ابوذر! میں تلاش رزق و فراخی کے لئے مکہ کے کبوتروں میں شامل ہو کر کوئی کبوتر بن جاؤں گا

(یعنی مکہ چلا جاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا تو پھر کہاں جاؤ گے؟

حضرت ابوذر! شام کی پاک و مبارک سرزمین کی طرف روانہ ہو جاؤں گا!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی نکلے؟

حضرت ابوذر! تو پھر تلوار اپنے کاندھے پر اٹھا لوں گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں ایسا نہ کرنا۔ فرمانبرداری اور اطاعت کرنا اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو۔[1]

پس انھوں نے ایسا ہی کیا فساد و جدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا تھا۔ عبداللہ بن سبا جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑکا رہا تھا اس کی گرمی مدینہ منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی، ایسے وقت میں حضرت ابوذر نے عزلت گزینی پر اگر عمل کیا تو یہ حضور ہی کے ارشاد کی تعمیل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فساد کی خبر دے چکے تھے!

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر کو مخاطب کر کے ایک دن فرمایا۔

اے ابوذر تو کیا کرے گا، جب لوگ آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کریں گے، حتی کہ (اس قدر خون بہایا جائے گا) کہ حجارۃ الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے) کی زمین خون میں غرقاب ہو جائے گی، حضرت ابوذر نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں، کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر بیٹھ جانا، اور دروازہ بھیڑ لینا، حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا تو جن لوگوں سے تم ہو ان کی جماعت میں آکر مل جانا، حضرت

یا اباذر ارایت ان قتل الناس بعضهم بعضا حتی تغرق حجارة الزیت من الدماء کیف تصنع قال الله ورسوله اعلم قال اقعد فی بیتک واغلق علیک بابک قال فان لم اترک قال فائت من انت منهم فکن فیهم قال فاخذ سلاحی قال

[1] مسند احمد ۱۴۲ صفحہ

ابوذر نے کہا تو کیا میں تلوار اٹھا لوں گا، حضورؐ نے فرمایا کہ اس وقت تم بھی فساد میں شریک ہو جاؤ گے، (یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلوار کی چمک سے خوف معلوم ہو، تو اپنی چادر کے پلّے سے منہ ڈھانک لینا، تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تمہارا اور اپنا گناہ لے کر واپس ہو۔	اذاً تشارکہم فیما ھم فیہ ولکن ان خشیت ان یروعک شعاع السیف فالق طرف ردائک علی وجھک حتی یبوء باثمہ واثمک۔

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے، کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ربذہ میں نظر بند کر دیا تھا حالانکہ واقعہ جو کچھ بھی ہے میں اُسے تفصیلاً بیان کر آیا ہوں۔ اور آئندہ بھی تمھیں معلوم ہوگا، خود حضرت ابوذر سے بعض لوگوں نے آکر پوچھا ہے "کہ تم ربذہ کس طرح آئے اور کیوں آئے"، تو اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر اپنے واقعات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت والذین یکنزون الآیۃ میں اختلاف ہو گیا معاویہ کہتے تھے، کہ یہ یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا، کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے۔ اس پر بات بہت بڑھ گئی معاویہ نے حضرت عثمان کے پاس میری شکایت کر دی۔ (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا مگر وہ یہی عمل دیا تھا) عثمان نے مجھ کو لکھا کہ "مدینہ چلے آؤ"، میں مدینہ آگیا یہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ عثمان سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں تاکہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے گی، اور ہمارے قریب بھی رہیں گے) بس فقط اتنی بات مجھے یہاں لائی ہے"[1]

آپ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے۔ جس کی تفصیل بھی میں آپ کے ہی دوسرے بیان سے کر چکا ہوں، مگر غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام نہیں دیتے تھے، تو دوسروں کو کیا حق ہے۔ کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامنِ امانت پر اس واقعہ کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے، کہ اگر کسی سیاسی مصلحت سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدینہ

[1] طبقات ابن سعد ۱۲ ؎

سے الگ کیا ہوتا۔ تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا حکم دیتے۔ مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا تھا، علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا مقام تھا، جہاں سے ہر سال عراق کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں مکہ معظمہ جایا کرتے تھے، اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی۔ ایسے مخدوش آدمی کو ایسی گذرگاہ پر قید کرنا کس قدر قرین عقل و دانش ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دجاجلہ و وضاعین الحمد للہ کہ اس قدر غبی اور بدحافظہ ہوتے ہیں، کہ باتیں ضرور بناتے ہیں، لیکن اس درجہ خام جھوٹ ہوتا ہے، کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار پود بکھر جاتے ہیں - فلعنة الله على الكاذبين -

بہرکیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے، کہ خود جو واقعات آئندہ میں درج کروں گا، انشاء اللہ اسی میں اُن تمام بہتانوں کی پوری تردید ملے گی۔

بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ۔ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی وہاں گذاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ربذہ کی آبادی۔ میں بتا چکا ہوں کہ ربذہ شرق نجد کا ایک پُرفضا قطعہ تھا۔ جہاں سرکاری رکھت بھی تھی۔ اور یہ بھی لکھ چکا ہوں، کہ وہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ مکرمہ کو جاتی تھی اسی کے کنارے واقع تھا، مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی، ان ہی وجوہات کی بنا پر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی۔ جو رکھت کی حفاظت اور راہگیروں کے امن وامان کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرر تھا، اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا۔ اسی سبب سے مل ملا کر اُس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کر لی تھی۔

حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بیت المال کے اونٹ وغیرہ یہاں رہتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت ابوذر رضؓ ریوڑوں کی حفاظت کے لئے یہاں کبھی کبھی اگر سکونت[۱] پذیر ہوتے تھے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے، کہ چونکہ اس مقام میں حضرت ابوذر پہلے رہ چکے تھے، اور یہاں سے مانوس تھے، اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں میں اسی کو ترجیح دے کر حضرت عثمان رضؓ سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہرکیف جس زمانہ میں آپ یہاں

[۱] فتح الباری ج ۳ صفحہ ۱۲

تشریف لائے، تو وہاں کا افسر نظم و نسق بیت المال کے ایک حبشی غلام مجاشع نامی[1] تھے، مردوں کی آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ ان لوگوں کے لئے خلافت کی طرف سے ایک مسجد بنوادی گئی تھی۔

ربذہ کی رہائش سامان زندگی وغیرہ | حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ دربار خلافت سے چار ہزار درہم (تقریباً نوسو روپیہ) مقرر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اس کے بھی ارادہ کیا تھا۔ کہ چند شیردار اونٹوں کو بھی آپ کے لئے خاص کر دیا جائے۔ لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو آپ نے لینے سے خود ہی انکار کر دیا۔ یہی مستقل آمدنی یا سرمایہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہی تھا۔ اسی سے آپ نے مختصر سامان خریدا تھا جس کی تفصیل یہ ہے دو گدھیاں۔ چند گدھے (بازار وغیرہ لانے کے لئے) چند اونٹ سواری اور پانی لانے کے لئے، کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ دو غلام، ایک چھوکری۔

وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ و مٹی کا نہیں بنایا کملوں کا ایک جھونپڑہ ڈال لیا تھا۔ قریب ہی میں آپ نے ایک حوض بھی بنایا تھا جس میں پانی جمع کر لیتے تھے۔ اور مسافروں کو اس سے پلاتے رہتے تھے بسند احمد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں آپ کی تھوڑی سی زمین بھی تھی۔ واعلم عند اللہ

اہل و عیال | ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم تو یہ تھیں اور ایک صاحبزادی صاحبہ اس سے زیادہ اولاد کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔

الغرض ربذہ کی وادی میں، ایک سرمست خمخانہ حجاز کا مخمور الست اپنی زندگی انہیں سامانوں پر گذار رہا تھا۔ اور خوش تھا، کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے اسے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شور و غوغا سے الگ ہو کر، روحانی مسرتوں کی لذت اندوزیوں میں، اطمینان مصروف تھا۔ سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت و افلاس کی تھی۔ لیکن شروت نظروں سے پوچھو، ان سے دریافت کرو، جو کسی کی نرگس مست کی غلامی لکھوا چکے ہوں، وہ کسی کے بادۂ لعل سے دل و جان کو خراب کر چکے ہوں، کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

[1] تاریخ کامل ابن اثیر ۱۲ [2] کیری شرح مسند ۱۲۹ [3] محلی ابن حزم ۱۲ [4] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۹ ج ۴۔ ۱۲ [5] اس تفصیل کا اکثر حصہ طبقات سے ماخوذ ہے منقول ہیں [6] اور مسند احمد میں ہے جو ابوذر غفاری کی روایت بن خلد ج ۲ صفحہ [illegible] گئی ہے ۲۱۵ [7] صفحہ ۱۸۱ ج ۵ مطبوعہ مصر ۱۲

غلام نرگس مست تو بادشاہانند — خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند ۵

سیدی المحسن مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مد اللہ ظلہ العالی کی تقریر کا جملہ کہ "باہر غنا و تمول کا سامان کیا کرتے ہو اپنے اندر وہ سامان پیدا کرو جس کے بعد کبھی افلاس ستا نہیں سکتا مسکنت دکھ پہنچا نہیں سکتی"[1] اس موقعہ پر اکثر یاد آتا ہے جب کہ آپ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوذرؓ کو ایک ہی سطح پر لا کر قائم کرتے تھے۔ ابوذرؓ کے پاس جو کچھ بھی تھا کافی تھا۔ نہ صرف یہ دعویٰ ہے، بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا آپ کی روش اس کی شہادت دیتی تھی۔

ربذہ کی مہمان نوازیاں۔ مثلاً ان مختصر سامانوں کے ساتھ بھی آپ کا حال یہ تھا، کہ عموماً آپ مسافروں کو اپنے پاس ٹھیرایا کرتے، اور جس طرح بن پڑتا، اپنی وسعت کے موافق کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے، کہ

ربذہ میں حضرت ابوذرؓ کے یہاں بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔ آپ خود اٹھے، اور جس قدر بکریاں تھیں، ایک ایک کرکے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ نچوڑ کر نکالا، حتی کہ کوئی تھن باقی نہ رہا۔ اس کے بعد گھر سے جا کر کچھ کھجوریں لے آئے جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہوکے، اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے بڑھا کر فرمایا، کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو میں اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا۔ مہمانوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی، اس لئے نہ تو دودھ کا ایک قطرہ بچا۔ اور نہ ایک کھجور ہی باقی رہی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور صرف یہی نہیں، عموماً آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسیٰ بن عمیلۃ الفزاری کہتے ہیں، کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذر کو دیکھا تھا بیان کیا، کہ

یحلب غنیمۃ لہ فیبدأ بجیرانہ واضیافہ قبل نفسہ (ص[2]) — اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے۔

اور وہ واقعہ تو گزر ہی چکا کہ مہمان کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہوگئے جب اس کا پیٹ

---

[1] مولانا موصوف حضرت ابوذرؓ کا ایک دن حال بیان کر رہے تھے، اور اسی بیان میں آپ نے عثمانؓ کی مناظرانہ کی تنقیح کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ عثمانؓ و ابوذر ایک حال پر تھے۔ کہ دونوں کا باطن ایک تھا ظاہری تفاوت ناقابل التفات امر ہے۔ ۱۲

[2] طبقات ص ۱۶۲ ج ۴ مطبوعہ لندن۔ ۱۲

پھر گیا۔ تب نماز سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ شریک ہوئے۔ یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی امید۔

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرت سے گذرتی تھی۔ کہ جو آپ کی سچی آرزو تھی۔ وہ یہاں بخوبی پوری ہوتی تھی۔ "نے غم دزدنے غم کالا" دنیا کے تمام معاملات سے آزاد ہو کر آخرت کے خیال میں محو رہتے، حتیٰ کہ یہاں آکر قیامت کے قرب کا اتنا خیال بندھ گیا تھا کہ عموماً آپ فرماتے، کہ میری پتلی ہونے والی ہڈیاں، اور سپید ہونے والے بال ناامید نہیں کرتے، کہ میں علیسے علیہ السلام سے ملاقات نہ کرسکوں گا،، مطلب یہ تھا کہ گو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے، لیکن میرے خیال میں قیامت اس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جن کے نزول کی خبر قرب قیامت میں دی گئی ہے، ان سے میری ملاقات ہو جائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا تھا' وہ آیندہ کا تھا' نہ دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی، نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات ربذہ کے بعد بھی پیش آئے جن سے ممکن تھا کہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا لیکن آپ نے جس طرح اُسے ٹالا، وہ اپنے اندر عجیب و غریب نتائج رکھتے ہیں خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں کی ناکیں اس سے داغدار مجروح ہو جاتی ہیں۔

پہلا واقعہ اور اطاعت عثمانی کی پہلی نظیر۔

میں لکھ چکا ہوں کہ ربذہ کے عامل آپ کے زمانہ میں ایک حبشی غلام (مجاشع) تھے جس طرح دنیاوی معاملات اس کے سپرد تھے۔ جمعہ جماعات[۱] بھی انھیں کی متعلق تھا، جب حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں آکر سکونت فرما ہوئے، تو آپ بھی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے جب جماعت کھڑی ہو گئی، تو مجاشع بوجہ اپنے غلام ہونے، اور شرف صحابیت سے محروم ہونے کے، آگے بڑھنے سے رکے، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا، کہ آگے بڑھو جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ، مقصد اقدس یہ تھا، کہ اگرچہ تم غلام حبشی ہو، لیکن جب اولوالامر

۱؎ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۶۰ ۵۲؎ جمعہ کی نماز ربذہ ہوتی تھی، خود حضرت ابوذرؓ بھی پڑھتے تھے کما ذکرہ فی الکبیری سد ہی یہ بات کہ وہ گاؤں تھا وہاں کس طرح نماز ہوتی، اس کا جواب فقہاء امت کا کام ہے، اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرفوع حدیث کا مقابلہ اثر نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ اصول حنفیہ پر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ ربذہ مصر تھا، اس لئے کہ کل موضع حل فیہ الامیر فہو مصر ہے، امام محمد کا فتویٰ ہے اور مجاشع یہاں کا امیر تھا ۱۲

خلیفہ برحق نے تم کو امیر بنا دیا ہی تو میں بھی تمھیں امیر سمجھتا ہوں، جیسا کہ خود بعد کو آپ نے فرما دیا۔

"کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہی کہ اگر حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنا یا جائے تو" مجھ پر لازم ہی، کہ میں اس کی باتیں سنوں، اور اس کی فرمانبرداری کروں[۵۱]"

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آ کر پوری ہوئی لور یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے کہیں کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے بعد اسی وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا

اطاعت کا دوسرا واقعہ | عبداللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہ رضہ کی شکایت کی بنا پر خلیفۂ اسلام نے حضرت ابوذر کو شام سے مدینہ بلوایا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا حتی کہ ان ہی وجوہات سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزین ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ لگا کر اس واقعہ کو غلط آب و رنگ کیساتھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فوراً خیال گذرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذر کو حضرت عثمان سے بدظن کرنا آسان ہی مسئلہ کنز پر نزاع موجود ہی اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہی۔

چونکہ ابوذر کا تقدس و ورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلّم ہی، اور خود اس کے ساتھ ایک قبیلہ غفار کا ہی۔ کیا عجب ہی کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد، ہماری شازش مکمل ہو جائے۔ اور جو آگ میں نے تیار کی ہی۔ اس کے شعلہ ابوذر ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دیئے جائیں۔

الغرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا بقول[۵۲] ابن خلدون، سرخیل وفد خود ہی ہوا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا۔ اور یہیں سے طیار ہو کر ان بدباطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی۔ بطور مہمانوں کے یہ لوگ آپکی دولت خانہ پر آ کر ٹھیرے آخر موقع پا کر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"اے ابوذر! اس شخص (عثمان) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا، (یعنی آپکے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم اس کی تفصیل بھی نہیں کر سکتے)، پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف میں آپ بغاوت کا پھریرا بلند کریں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی ضرورت آپ کو ہوگی، اس کا پورا انتظام کیا جائے گا، آپ صرف جھنڈا بلند کر دیجئے[۵۳]"

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہی لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر و عیار تھے،

---

[۵۱] طبقات ابن سعد ۱۲ [۵۲] ابن خلدون ج ۲ صفحہ ۱۳۹ [۵۳] تمام تفصیل طبقات سے ماخوذ ہی۔ ۱۲

اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ باتیں اُنھوں نے کہی ہوں گی۔
بہر حال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کی صبح لبہائے ابوذرؓ کی جنبش ہی عنقریب طلوع ہونے والی ہے
مگر یہ ان کی بدعقلی تھی انھوں نے ابوذرؓ کو بھی العیاذ باللہ جو اب ناختوں میں شمار کیا تھا جو رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کی شہادتوں پہ عبداللہ بن سبا کی افترا پردازیوں کو ترجیح دے کر داماد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون
سے رنگین قبا ہوئے، یا جو آج ان ہی مختلف روایتوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر، امت اسلامیہ کے سب سے بڑے
حیا پرور انسان پہ شرمناک حملے کر رہے ہیں ۔ مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون
الا کذبا۔ عصر حال کے کج فہموں کو بھی سننا چاہئے کہ اس نامراد جماعت کو حضرت ابوذرؓ کی جانب سے کیا جواب ملا۔
آپ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا۔

"مجھ پر یہ بات ہرگز نہ پیش کرو، دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل و رسوا نہ کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں، کہ جس نے
اپنے بادشاہ کو ذلیل و خوار کیا، اس کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔
خدا کی قسم اگر عثمان رضؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی، یا بلند سے بلند پہاڑ پر بھی چڑھا کر پھانسی دے دیں گے، تو
میں اُسے مانوں گا، اس حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دوں گا، صبر کروں گا، اور خدا سے اس صبر پر ثواب کی امید رکھوں گا
میں سچ کہتا ہوں کہ (اگر عثمان ایسا کریں گے) تو میں اپنے لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا۔
اسی طرح اگر عثمان آسمان کے اس کنارے سے اس کنارہ تک مجھے دوڑنے کا حکم دیں گے، یا جہاں سے آفتاب اُگتا
اور جہاں جا کر ڈوبتا ہے، اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں گے،
تو میں اُسے مانوں گا، سنوں گا، بجا لاؤں گا، اور صبر کروں گا، اور اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید
رکھوں گا، اور اپنے حق میں اسی کو بہتر خیال کروں گا،
اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں بیٹھے رہنے دیں گے (تو ٹھیک جس طرح گذشتہ باتوں میں میرا حال ہوگا) اسی طرح اس حکم
کو بھی مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع ہوں، فرمانبردار ہوں، اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھوں گا
صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا۔"[1]

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۱۶۶ ج ۴-۲

یہ تقریر جس بلیغ و موثر پیرایہ میں ابوذرؓ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اڑ گئے ہوں گے، امید معاونت تو کجا خود انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہوں گے۔

اللہ اکبر، جو شخص اونچی سی اونچی لکڑی کی پھانسی کو، اور گھر میں بیٹھنے کو، برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس کی وفا شعاریوں کی کوئی حد ہو سکتی ہے؟۔

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف نہ تھا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوذرؓ کی صفائی میں اب اس سے زیادہ اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالاتر قوت انسانی ہے، جو کسی کی برات کو اس سے صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کر سکتی ہو۔ واللہ علی ما نقول شہید۔ جن کی نگاہیں تنگ و ظرف چھوٹے ہیں انکو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہیے کہ اسے وسیع کریں۔ الحاصل باغیوں نے ربذہ کے درویش کی جسوقت یہ حالت دیکھی ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ اور اسیوقت انہوں نے راہ گریز اختیار کی۔

تیسرا واقعہ اس واقعہ کو عوف شیبانی سے امام احمدؒ نقل فرماتے ہیں، عوف کا بیان ہے کہ

ایک شخص تھنے تحائف لیکر حضرت ابوذر کے پاس ربذہ آیا جب وہاں پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لیگئے، (مسند احمدؒ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ کے بعد کا ہے لیکن طبری میں ہے کہ یہ واقعہ ۲۹؁ھ کا ہے جس وقت حضرت ابوذر ربذہ نہیں آئے تھے) اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی، معہ ان سامانوں کے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی زیارت اُسے نصیب ہوئی۔ اور اسوقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہو گیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ منیٰ ہی میں تھا، کہ یکایک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں[۱]

---

[۱] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبد الرحمن بن عوف نے آکر پوچھا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا، کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدؤں نے اپنے ملکوں میں جا کر مشہور کر دیا ہے، کہ نماز مسافر کے لئے بھی چار ہے۔ کیونکہ امیر المومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے۔ اس لئے

چونکہ یہ بالکل جدید واقعہ تھا، اس لئے صحابہ میں اس لئے بڑی کھچل رہی تھی۔ عبداللہ بن مسعود عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں مشورہ کر رہے تھے۔ بار بار عبداللہ کی زبان پر آتا تھا،

فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان۔ (بخاری) کاش ایچار رکعتوں کے ثواب مجھے دو ہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں ملتیں لیکن خلیفۂ وقت کی اطاعت کو اُن کی دقیق روحانی بصیرتیں اس قسم کے مسائل پر ترجیح دیکھی تھیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا۔

الخلاف شر قد بلغنی انہ صلی اربعا فصلیت باصحابی اربعا[52]　اختلاف بری بات ہے مجھے خبر ملی کہ حضرت عثمان نے چار رکعتیں ہی پڑھی ہیں اس لئے میں نے بھی چار پڑھیں

ہمارے مجذوب سرمست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی تو ابتداء میں آپ پر غصہ طاری ہو گیا اور سخت غیظ میں آکر جھلا کر فرمانے لگے:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی آپ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا) پھر ابوبکر رض نے بھی دو ہی پڑھیں، عمر فاروق کے وقت میں بھی یہی ہوتا رہا۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے۔ خیر جو کچھ کہا ہو ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے، اور خود کیا کرتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اُٹھے اور اُٹھکر آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شوریدہ شوری اور پھر اس بے تکی پر سخت تعجب ہوا۔ ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا اُس نے فوراً پوچھا۔

"کہ یہ آپ نے کیا کیا جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیر المومنین کی شان میں سخت و سست سنا رہے تھے کس قدر عجیب ہے، کہ کھڑے ہو کر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے[51] ہیں"،

اقامت کی نیت کر کے چار پڑھ لی اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے، کہ میں نے منیٰ میں نکاح کر لیا ہے اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد ہے اس کی نگرانی کیلئے یہاں اقامت کر لیتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر پھر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمان غنی نے یہ دیا کہ "یہ میری رائے ہی لاحاصل یہ ہے کہ نیت اقامت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔ اور یہ نیت میں نے اپنی رائے سے کی، خدا جانے لوگ حضرت عثمان پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ کیا اقامت کی نیت سے آدمی مقیم نہیں ہو جاتا۔ [52] طبری صفحہ ۵ ج ۳ - ۱۲

[51] طبری صفحہ ۵ ج ۳ - ۱۲

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں وہ باتیں فرمائیں جو حق نیوشوں کے لئے ایک روشن شمع ہیں آپنے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونیوالا ہے دیکھنا اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرنا، جس شخص نے اس کی ذلت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس کی دعا کبھی مقبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس رخنہ کو جو اسنے اسلام کی دیوار میں پیدا کر دیا ہے بند نہ کرے (اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کر سکتا) ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رجوع کرے گا تو بھی ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو اس کی عزت پہلے سے کر رہے تھے۔[سے]

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یغلبونا علی ثلث ان نامر بالمعروف ونھی عن المنکر ونعلم الناس السنن۔ مجھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفاء) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور یہ کہ لوگوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز و روش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج بآسانی نکل آتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوذر نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمان رض کی پیروی کو اپنے لئے واجب سمجھتے تھے بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمان رض کی رضا کو امور واجبہ (کہ قصر اون کے نزدیک واجب ہے) ترجیح دیتے تھے۔

(۲) باوجودیکہ حضرت عثمان رض کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں تو اب ہم پر اس فعل کا کرنا ضروری ہو گیا آپنے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں۔

(۳) آپ نہ صرف دنیاوی عزت بلکہ دینی و اخروی عزت کو حضرت عثمان رض کی عزت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے بس غور کر لینا چاہئے کہ جب ایک مقدس و بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزت کا مدار حضرت عثمان رض کی عزت پر سمجھتا ہے تو جو لوگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات و اعزاز کی کیا صورت ہو گی جبکہ وہ اپنی ہر بات میں عثمان رض پر طعن و شناعت کرنے کو اپنا شیوہ قرار دئے ہوئے ہیں۔

[سے] مسند امام احمد ۵ صفحہ ۱۶۵ سند ۲۲ ؎

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے مجھے حضرت ابوذر کی اطاعت کی ایک تصویر اُتارنی تھی اور الحمدللہ کہ وہ پوری اور صاف اُتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس واقعہ کو بہت اہمیت دیگئی ہے میرا فرض چونکہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں۔ اس لیے میں اس پر مفصل بحث نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو۔ اسے محض رخصت خیال کرتے ہوں چونکہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آگئے تھے ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جا کر بھی دو پڑھنے لگتے اور سند میں حضرت عثمانؓ کے فعل کو بیان کر دیتے جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ قصر رخصت شرعیہ ہے، اسقاط نہیں۔

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جن دلوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں اُن کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے۔ اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپ نے سفر کے ارادہ کو مبدل بقصر کر دیا تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے اس لئے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر ایک گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کے وجوہات پیش کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی ہونے چاہئیں جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

وفات ۳۲ہجری | ہجرت کا بتیسواں سال[1] اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجہ میں قدم رکھ چکا ہے عرب و عجم کی بیشمار روحیں عشقِ الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظمہ کے وادیوں میں پھیل رہی ہیں عراق کے مسافر ذات عرق کے راستہ سے ربذہ کی پر فضا منزل سے گذر کر لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کی دل گداز آوازوں سے ان دبی چھپی چنگاریوں کو بھڑکا رہی ہیں۔ جنھوں نے ابوذر کے سینے کو آتشدان بنا رکھا تھا ربذہ کے سامنے سے جو حاجی مستانہ لباس میں یا برہنہ گذرتا اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذرؓ کے

---

[1] طبری ۳۲ھ مطبوعہ مصر ۱۲ +

دل کو ضرور رولا ڈالتا تھا۔

خصوصاً اس سال کہ تمام ممالک محروسۂ اسلام میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا تھا کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی وجسمانی سلطان اپنے حقیقی ملیک قدوس کے آستانہ پر جبین نیاز جھکانے آئیگا یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔

دور دور کے لوگ بیک کرشمہ دو کار کے اصول پیش نظر رکھ کر مکہ میں اُمنڈے چلے آتے تھے کہ حقیقی ومجازی دونوں جمال وجلال کا نظارہ ایک ہی سفر میں ملتا ہے۔ مختلف ملکوں کے صوبہ داروں والیوں کے نام بھی پروانہ جاری کیا گیا تھا، کہ اس سال خدائے واحد کی دربار میں آکر بیت اللہ کے خادم عثمان سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت زیادہ گرم وتیز کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں ربذہ کے درویش کی آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز بھبک رہی ہوگی اُس کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماری دل نے کام تمام کیا۔ مدت سے آہستہ آہستہ سلگنے والی آگ دل وجگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہو گئی۔ جو جسم انسانی تھا وہ از فرق تا بقدم انگارہ اور فقط انگارہ ہو کر دہکنے لگا تھی کہ طاقت رفتار نے ساتھ چھوڑا۔ قوتوں نے جواب دیا اور وہ جو کہ سامانِ سفر میں مصروف تھا بستر مرض پر یاس ناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ گیا کہ پھر کبھی نہ اُٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے لیکن جنھوں نے آپ کے حالات کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ جو چرکا مکہ کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا تھا وہ اب گہرا ہو کر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے حتیٰ کہ ضعف نے آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا اس بار آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا۔ آہ جس خیمہ میں بیمار ہو کر پڑ گئے تھے اُسی کے سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ اُمنگوں، اور ارمانوں کے ساتھ گذرتا۔ اور آپ کے دل پر رہ رہ کر چوٹ پڑتی۔ آرزوؤں کا ولولہ اُٹھتا اور تنِ زار کی کمزوری گراتی ایک عجب کشاکش تھی ہر بنِ مو سے گویا آواز آ رہی تھی۔

ہے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں ۔۔۔ طاقت بقدر لذتِ دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ حال کہ دو قدم چلنا بھی دو بھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جس طرح بھی ہو ابراہیم کے سر پر چمکنے والی بجلی یا فاران والی فارقلیط کی صبح کو منور کرنیوالی تجلی ایک دفعہ دل دجان پر کوند جاتی، گذر جاتی لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو وہاں ان باتوں کو کون پوچھتا ہے، آہ کہ جس پردۂ اجلال کے ناصیہ پر۔

ان اللہ غنی عن العالمین | اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے۔

آتشین حروف میں لکھا ہوا ہو وہاں "میں یہ چاہتا ہوں" کی آواز کون سنتا ہے ابوذر نے چاہا، لیکن جسے ابوذر چاہتا تھا اسنے نہ چاہا پھر کس کی مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم آگے بھی بڑھ سکتا ہو۔ آخر یہی ہوا کہ بیماری و نقاہت نے مجبور کیا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس پرشوکت حج میں شریک نہ ہو سکے۔ کیا کرتے تھک کر ربذہ کے خیمہ میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یوں ہی تھوڑے تھے اس پر کل سرکاری آدمی، ان بیچاروں کو کیا علم تھا کہ افق غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمانؓ کی آمد کی خبر سنکر وہاں کے کل آدمی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے ربذہ بالکل خالی ہو گیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپکے اہل وعیال رہ گئے اور بس۔ ادھر مناسک وزیارت کے دن بھی قریب آچکے تھے کہ مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا سڑک بھی سنسان پڑی ہوئی تھی[1]

سبحان اللہ کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا فقط اُس کو پورا کرنیکے لئے کیا کیا سامان ہو رہے ہیں ابوذر دمشق سے بلوائے جاتے ہیں۔ مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں حج کے بہانے سے۔ ربذہ کو خالی کیا جاتا ہے۔ اور آہ کہ وقت بھی وہ رکھا جاتا ہے، کہ راہ کا راہی اور سڑک کا کوئی مسافر بھی میسر نہ آسکے ۔

"این ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود"

کہ فعال لما یرید کی قوتوں کو مانو اور اس کے آگے سر بسجود ہو جاؤ۔

خیر جب سارا سامان تیار ہو گیا دیکھ لیا گیا کہ شرائط جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک پورے

---

[1] استیعاب ابن عبد البر تشنج ۴ - ۱۲

ہوچکے ہیں کہ یکایک اسی ہُو کے میدان میں جہاں چند جانوں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی پکارنے والا پرندہ بھی موجود نہ تھا۔ ربذہ کی صوفی خیمہ والی کالی تیماردار عورت (یعنی حضرت ابوذر کی حرم محترمہ نے) ایک چیخ ماری خدا جانے انھوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا۔ مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرتِ ابوذر کے بستر سے آواز آئی "تم کو کس نے رلایا۔

بیوی صاحبہ تمھارا وقت قریب آگیا ہے اور میں عورت ہوں اتنی قوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمھارے لئے ۔ کھود سکوں گی۔ اور آہ کہ گھر میں ایک ایسا لتہ بھی نہیں جس میں تمھیں لپیٹ کر... کر سکوں گی

حضرت ابوذر نے یہ سنکر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشا تھا اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے۔

درست رد، اس کے لئے نہ رو۔ میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، اُس وقت آپ نے فرمایا کہ یقیناً تم لوگوں میں سے ایک شخص ایک چٹیل سنسان وادی میں جان دیگا۔ جس کے جنازہ میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا۔ اور میں اُس دن سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے اُن میں سب کے سب کسی شہر یا آبادی میں وفات پا چکے اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ جو اس وقت اس وادی بیکسی میں دم توڑ رہا ہوں۔ پس جا! راستہ پر جاکر بیٹھ۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آرہی ہوگی۔ کیوں کہ خدا کی قسم نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔

بیوی صاحبہ: خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے حاجیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو چکا راستہ بالکل سنسان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تم جاؤ تو سہی جاکر دیکھو بھی تو۔

سمجھنے والوں کو اب جاکر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوا تھا ؎

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

غفار کا بہادر جوان صید گاہِ عشق میں کودا تھا۔ اس پر جو تیر چلایا گیا تھا آج جاکر نشانہ پر بیٹھنے جا

رونی دھوتی۔ یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اُٹھیں اور لب سڑک آکر بیٹھ گئیں۔ مایوس نگاہیں افق تک پھیل کر کسی چیز کو انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈھ رہی تھیں۔ اور پھر ناکامیوں کے ہجوم میں واپس آجاتیں۔ یہ سلسلہ آمد و رفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکایک مبتدا کے چہرہ سے نقاب اُلٹا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت میں ایک جانب سے آگئی۔ بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا لکھنے کی ضرورت نہیں سوچنے کی ضرورت ہے۔

پردہ چاک ہوتا ہے۔ اور اندر سے گردنیں اُٹھائے، اونٹوں کی ایک قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اُڑے چلے آتے تھے گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زناٹے بھرتی ہوئیں آرہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گرد و غبار میں ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پر پہنچ گئے۔ اُن لوگوں کی یکایک نگاہ آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح سے کھڑا رہنا حیرت میں ڈالدینے کیلئے کافی تھا۔ انگلیوں نے نکیلوں کو ڈھیلا کردیا اونٹ روک دئے گئے۔ جو آگے تھا اُس نے آپ کو مخاطب کرکے پوچھا،

"بیوی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں آپ پر کیا حادثہ گذرا؟"

بیوی صاحبہ۔ "مسلمانو! ایک آدمی بیچارہ مر رہا ہے خدا کے لئے اس کے دفن کا سامان کرو"

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا، دل کے ٹکڑے اُڑا دیتا ہے کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے دنیا کی بے نیازیوں کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے۔ اللہ اکبر ابوذر! راتوں کو پیشانی گھس گھس کر صبح کردینے والا ابوذر!، صبح کو فاقہ و بھوک کی شدت میں شام کرنیوالا ابوذر! حق کی حمایت میں دنیا کو اپنا دشمن بنانیوالا ابوذر!، آہ کہ وہی ابوذر جس نے عشق و سرمستی میں اپنی عمر کاٹ دی توحید و سنت کی اشاعت میں در بدر پھرنے والا ابوذر! محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذر! صرف اس کی پوجا کے لئے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل کے پکھیروں کی طرح زندگی گذارنیوالا ابوذر! آہ کہ ابوذر! آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے رہا ہے کہ اُن کی بیوی اللہ اللہ! مسافروں کے سامنے اس لئے کھڑی ہیں کہ اُن کے کفن کے لئے بھیک مانگیں۔

غنی مطلق کی استغنائے مطلق کی یہ کارفرمائیاں ہیں اس روحانی بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربوں، صدیقوں کا زہرہ آب ہو جاتا ہے۔

"اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے خدارا اُن کے کفن کا بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے"

شتر سواروں نے پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے۔ آواز آئی۔

"ابوذر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

یہ سُن کر ہوش اُڑ گئے۔ حواس خبط ہو گئے۔ کہرام مچ گیا۔ سننے والوں نے شور برپا کر دیا غل تھا کہ

"وہ! اُن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ! اُن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں"

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہو گئیں کوڑے اُن کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے گریاں و نالاں افتاں و خیزاں اس خیمۂ مریض کی طرف دوڑ پڑے[ف۱]

حضرت ابوذرؓ نے بیوی صاحبہ کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا۔

"بیٹی ایک بکری ذبح کر لو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو۔ گھر میں مہمان آ رہے ہیں جب وہ مجھے دفن کر لیں تو تم اُن سے کہنا کہ ابوذر نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک کھانا نہ لیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں[ف۲]"

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک اور جماعت آنیوالی ہے جو کھاتی پیتی نہیں لیکن خوشبو سونگھتی ہے ایک نافہ مشک کا پڑا ہوا ہے اسی کو گھس کر پانی میں ملاؤ۔ اور تمام خیمہ پر اُسے چھڑک دو۔ عنقریب وہ آنیوالے ہیں روح جسم کو چھوڑ رہی ہے سکرات کی حالتیں طاری ہیں لیکن اس وقت بھی جو خیال عملی صورت اختیار کر رہا ہے وہ وہی ہے جو میں پہلے لکھ چکا ہوں، کہ علم عمل پر منطبق ہو جائے۔

خلیل ابوذر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا اکرام کیا کرو۔ بس گو جان نکل رہی ہے۔

ف۱ یہاں تک کے واقعات طبقاتِ ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں ۱۲

ف۲ تاریخ طبری، ج ۵ ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۹ ۱۲

لیکن جو قول اس میں منجذب ہو گیا تھا اس پر عمل کرنا بھی ضرور ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہو رہے ہیں اتنے میں آہ و بکا کی غوغا میں شتر سواروں کی جماعت خیمہ کے اندر آگئی

مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ کر جاں بلب ابوذر کے بدن نے گویا ایک جھرجھری لی۔ یکایک

حجۃ الوداع کی آخری وصیت نبویہ صلی اللہ علیٰ صاحبہا

| دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا قول پہنچا دے | الا فلیبلغ الشاھد الغائب |

موت کی تمام سختیوں پر غالب آگئی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

"تمہیں خوشخبری ہو، تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مژدہ سنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے کفن و دفن میں شریک ہو گی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں جماعت مسلمانوں کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جان بخش گرانمایہ مژدہ اور کیا ہو سکتا ہے)"

اس کے بعد حضرت ابوذر رض نے فرمایا۔

"ایک اور مژدہ سنو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مر گئے ہوں یا تین بچے مر گئے ہوں اور ان کی موت پر انھوں نے صبر سے کام لیا ہو اور صبر پر ثواب کی امید لگائی ہو تو یہ دونوں ہمیشہ کیلئے آگ کے شعلوں سے جدا ہو گئے"

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر رض نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس پر برانگیختہ کرنیوالا تبلیغ کا جذبہ دیرینہ تھا تاہم یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا، میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا، پھر بھی قرائن و قیاسات کا مقتضی ہے کہ آپکو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابوذر اس دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے اعمال و افعال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا۔ اپنی صدقات و خیرات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان ملک الموت کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرہ نہیں۔ کسی پر بھروسہ نہیں۔

ہاں صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچے مر چکے ہیں، ارحم الراحمین شاید اسی کو بخشایش و مغفرت کا

ذریعہ بنالے۔ فقط ایک یہی چیز ہے کہ جو ممکن ہے کہ رحمت ایزدی کو اس کی طرف متوجہ کر سکے۔
اور یہ ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیت و خوفِ خدا اپنے دل پر غالب کر سکے ہو کر د۔ پھر جب موت کی گھڑیاں سر پر آجائیں اس وقت بیم و دہشت کو سینے سے باہر نکال کر صرف امید نجات و فوزِ رحمت و غفران سے دل کو لبریز کرلو شیخ المجاد یہ اسوقت اسی شغل میں مصروف ہیں
اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز، روح فرسا، حوصلہ گسل آواز اٹھی، اور بصد حسرت و یاس اٹھی، صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"کاش کہ میرے پاس اتنا کپڑا بھی ہوتا کہ میں اس میں سما کر اپنا کفن بنا لیتا...... تو پھر میں اس کے علاوہ اور کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔
مگر...... (یعنی جو خدا کی مرضی یہی ہے کہ اپنے کفن میں میں لپیٹا نہ جاؤں اور آپ لوگ اپنا کفن دیں) اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں، خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص کفن دے وہ نہ تو کسی صوبہ کا والی ہو اور نہ عریف[۵۱] ہوا اور نہ داکیہ ہو"
اتفاق تو دیکھو، کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے۔ قریب قریب ہر ایک شخص ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔
صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں۔ وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں، اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی رکھی ہوئی ہیں جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ نے کاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بنا ہے[۵۲]۔
اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہوئی ہے۔ ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں۔

[۵۱] و [۵۲] دونوں روایتیں طبقات ہی میں ہیں۔ اگر دوسری روایت صحیح ہو تو پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انصاری جوان کو اس قوم سے تعلق تھا جو آج ہندوستان کے سچے مسلمان ہیں۔ اس قوم کی خوش قسمتی ہے کہ یہ خدمت عالی اسی کے ایک فرد کے سپرد ہوئی۔ عریف قوم کے یا گاؤں کے مکھیا اور سردار کو کہتے ہیں جو رئیس اور امیر کے ماتحت ہوتا ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک وہ ہے جو قوم کا راہبر ہو۔ ۱۲ +

جو کفن سکے لئے کافی ووافی ہیں۔

حضرت ابو ذر رض نے یہ سن کر فرمایا:۔

"ہاں تو تم میرے حسب منشا ہو۔ بس انہیں کپڑوں میں مجھے کفنانا"

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں، مورخین ان سے ساکت ہیں۔ ہاں طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے۔ جو ظاہر اً بلکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے، اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے۔ اقرب الی الصحت اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ۔

"مجھے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر جا کر ڈال دینا، اور دیکھتے رہنا۔ سب سے پہلے سوار دنکی جو جماعت گذرے اُن کو ٹھیرا کر کہنا کہ یہ ابو ذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تم لوگ ان کے دفن میں میری مدد کرو"

۸ ذی الحجہ سنہ ۳۲ ہجری | اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، خدا کی ہر چیز خدا ہی کی طرف جانیوالی ہے آخر وہ وقت عظیم آگیا، آسمانوں سے فرشتے اُتر پڑے اور اس خستہ و نزار۔ سوختہ و بریاں جان کو جس نے خدا جانے اس عنصری دور میں نشیب و فراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے اور خود اس قفس خاکی میں بند ہو کر کیا کیا کیا تھا اسی کو لینے کے لئے دنیاوی محبسوں سے نجات دینے کے لئے قدوسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ مشک بیز خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس پہونچ گیا۔

حجابات اُٹھنے لگے۔ اُن دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آنے لگی۔ ابو ذر رض نے ٹوٹتی آواز میں دنیا والوں کو اس آخری لفظ سے مخاطب فرمایا۔ "قبلہ کی طرف میرا رخ کر دو۔"[1]

یہ آخری حکم کی آخر تعمیل کر دی گئی۔ اس کے بعد خلوص و سچائی کی اندر ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے: "بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۵۱ جلد ۳ سنہ ۳۲ کامل ابن اثیر صفحہ ۵۱ جلد ۳

انہیں پاک آوازوں کے ساتھ خاک آب و آتش و باد کے کرّے ایک تاباں روشنی مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ سراج منیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے دمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے حوالی افق میں غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون "نفس مطمئنہ" فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کی صدا سے مع پر در پر ذیعی سے اُکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہونچ گئی جس نے اپنے کو خدا کے لئے بنا دیا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمانِ وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال و جمال کی مستور کششوں میں غرق ہو کر جس کے لئے تھا اُسی کے پاس چلا گیا۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما

مجذوبوں کا سردار رئیس الطائفہ فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ جنازہ آنکھیں بند کی گئیں انگوٹھے باندھے گئے غسل دینے والوں نے نہلایا انصاری نوجوان نے کپڑے نکال کر دئے اور اس جسم کو جس نے اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو جذب کر دیا تھا ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا۔ حسب وصیت آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا اور عام گذر گاہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

اِدھر کو نہ سے اُستاد المسلمین، معلم الامۃ، فقیہ الاسلام حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے مع ایک جماعت کے مکہ مکرمہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے۔ آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں مجھے کیا معلوم۔ تاہم ظاہر حال یہ تھا کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے حتیٰ کہ قریب تھا کہ جس کا جنازہ بیکسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آجائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹھک گئے۔ جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھیرا لیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آگئے۔ اور آکر کہا۔

"ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے" یہ ایک نے بردست دھکا تھا جس نے اچانک ابن مسعود رض کی روح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن عبد البر کی روایت ہے کہ سنتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری۔ اور مجنونانہ اپنے اونٹ سے اتر پڑے روتے جاتے تھے اور

حالت وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔ "میرے دوست، میرے بھائی"

اخیر میں فرماتے:-

"مبارک ہو تمکو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا، کہ ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مریگا اور اکیلا ہی اُٹھیگا۔"

حتیٰ کہ کم از کم مرنیوالا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لیجاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لیجاتا ہے۔ لیکن ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اپنا نہیں۔

لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے نماز کی درخواست کی جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلادینے والا نظارہ ہوگا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جارہا ہے۔ جس طرح اسے چھوڑ کر آپ تشریف لئے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی۔ اور جن کے عہد و علوم پر اعتماد کر نیکی وصیت خدا کے آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو فرمائی اور صفوں میں مبشرین کی وہ جماعت ہے جن کے اسلام کی تصدیق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی اور جنکا بیشتر حصہ اُن لوگوں پر شامل تھا جن کے ملک سے عرب کے نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی خوشبو آئی ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل بارہ نفوس پر مشتمل تھا۔ ابن اثیر نے دونوں گروہوں کے آدمیوں کے اسماء بھی لکھے ہیں۔ میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ابو مفرز تیمی۔ اسود بن یزید علقمہ بن قیس نخعی۔ مالک بن الاشتر نخعی۔ جلحال ضبی۔ حارث بن سوید تیمی عمرو بن عتبہ السلمی ابن ربیعہ سلمی ابو رافع مزنی۔ سوید بن شعبہ تیمی۔ یزید بن معاویہ تیمی۔ اخو القرثع ضبی اخو معضد الشیبانی الغرض میدان میں بصد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا محض اس کی خاطر تھی کہ کوفہ کی زمین بلائی جاتی ہے

ؔ سلہ بخاری و مسلم۔ جناب مولانا مفتی عبداللطیف صاحب نعمانی اندنوں حضرت عبداللہ بن مسعود کا تذکرہ مرتب فرما رہے ہیں۔ اس میں اس حدیث پر مفصل بحث کی گئی ہے کم از کم یہ تذکرہ پندرہ جزو سے کم تو ختم نہیں ہوگا۔ عام اور بالخصوص حنفیوں کے لئے یہ تذکرہ اپنے اندر عجیب و غریب معلومات کو مہیا کر رہا ہے

اور رفیقۂ الاسلام کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لا کر کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ جاننے والے جانیں کہ جو خدا کے لئے مرتا ہے خدا اس کے لئے کیا کرتا ہے۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے ایام حج بھی گذر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکہ آنا ایک محض بے موقعہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا تو پھر خواہ مخواہ چند دنوں کے لئے اُنھوں نے حج کو کیوں چھوڑا۔ میں اس معمی کو بالکل نہیں سمجھ سکا پھر اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا "کہ دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا۔" عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہو جاتا ہے کہ

ع اے زائر حرم غرض ازیں طوف خانہ چیست۔

نماز کے بعد جنازہ اُٹھا، کن کاندھوں پر اُٹھا، اور کس کا اُٹھا چشم بصیرت دیکھے اور رشک و غبطہ کی موجیں دلوں سے اُچھل اُچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈھنے والوں کو تڑپائیں۔

سب سے پہلی منزل کے دہانہ پر غفار کے سب سے بڑے انسان کو لایا گیا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اُترے۔ اُتر کر اس سرچشمۂ صدق و امانت کو جس سے زیادہ سچی بات زبان والے انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا۔ اور نہ جس سے زیادہ صدیق و راست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اُٹھایا تھا ربذہ کی ایک کنج عافیت میں ہمیشہ کے لئے مستور و مخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود و مودع ہی عام زیارت گاہ ہے۔ بس جو تنہا ہی چلتا تھا تنہا ہی رہتا تھا وہ تنہا ہی عرصۂ بلاد آزمائش سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

حقیقی جذب و سرمستی کا چراغ گو اس کے بعد گل ہو گیا لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی کچھ روشنی پائی گئی۔ یا اسوقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح عیسوی زہد و ورع ہدی محمدی علی صاحبہا الف الف صلوات و تحیہ کے ساتھ اس کے بعد جہاں کہیں جمع ہوئے وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الذین اتبعوہ باحسان۔

حضرت ابو مسعودؓ کی ردا اور آپکے اہل و عیال کا انتظام

الغرض تصلد قدرسنے جو کچھ چاہا وہ ہوا دفن کرنے کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ

اپنے رفقاء کے ساتھ باچشم تر آپ کے خیمہ میں آئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں آپ نے تسلی و تشفی کے کلمات اُن کو کہے خود بھی سنبھلے اُن کو بھی سنبھالا جب کچھ سکون پیدا ہوگیا تو چلنے کے ارادہ سے اُٹھے۔

حضرت ابوذر کی صاحبزادی صاحبہ نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے چلے۔ ابا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ نہ کھالیں سوار نہوں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کر کے پکنے کا حکم دیدیا تھا۔ جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا کھایا تو کیا جاتا لیکن مرنیوالے کے اس خلوص کو دیکھ کر عبداللہ بن مسعود دنگ ہوگئے اور ہونا چاہیئے تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اسوقت بھی عمل کیا جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تاکہ یہ دعویٰ کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا، جس طرح آپ نے مجھ کو چھوڑا ہے"، عملی طور پر مدلل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھا سکے کھایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا۔ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں ایک میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت ابوذرؓ کے تمام اہل وعیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ میں جاکر حضرت عثمان رضؓ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں ان لوگوں کو تسلی دلاسا دیکر آپ اُسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوگئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس جانگاہ حادثہ کی خبر دی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت صدمہ ہوا اور بجائے اصلی راستہ کے آپ مدینہ کو ربذہ کی طرف سے لوٹے راستہ میں ربذہ میں اُترے اور تعزیت وغیرہ کر کے سب کو اپنی ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے۔

الغرض خواہ یہ ہو یا وہ ہو۔ اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ

ضمہ عثمان الی اھلہ	حضرت عثمانؓ نے آپ کے بال بچوں کو اپنے بچوں کے ساتھ ملالیا

فجزاہ اللہ عنی وعن المسلمین خیر الجزاء ھذا السفر ھا اردنا حصر شوارد وقائع ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وماجری بہ فی الجاھلیۃ والاسلام واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

۹۲۲۶۹۷۲

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

15 1959

21-1-66

۱۲۹۲۵